© rasailojaraid.com

تحقیق و تنقید

معیشت نبوی۔ مکی عہد میں

ڈاکٹر محمد یلیین مظہر صدیقی

معاش نبوی کے بارے میں بالعموم دو نقطۂ نظر سامنے آتے ہیں لیکن دلچسپ حقیقت یہ ہے کہ ان دونوں کا ایک ہی نتیجہ پر اتفاق ہے۔ ایک نظریہ مستشرقین اور ان کے پیروکار و شاگرد جدید مؤرخین کا ہے جس کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ایک کمزور معاشی طبقہ سے تھا کیونکہ ان کے خیال خام میں آپ کا بنو ہاشم کے جس خاندان سے تعلق تھا وہ سماجی لحاظ سے بھی کمزور تھا۔ ان کے اس نظریہ کے پیچھے یہ خیال کارفرما ہے کہ معاشی اور اقتصادی خوشحالی نہ صرف سماجی مرتبہ و مقام کی ضامن ہوتی ہے بلکہ معاشرتی شرف و عزت کا نشان بھی ہوتی ہے۔(۱) دوسرا نقطۂ نظر ہمارے بیشتر مسلمان اور مشرقی سیرت نگاروں کا ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ آپ نسبی اور معاشرتی اعتبار سے اعلیٰ خاندان کے فرد تھے لیکن متعدد واسباب سے جن میں آپ کی یتیمی و یسیری کو خاصی اہمیت بلکہ بنیادی حیثیت حاصل تھی آپ کی معاشی حالت بہتر نہ تھی بلکہ بعض حضرات کے ہاں کچھ ایسا تاثر پایا جاتا ہے کہ اقتصادی ابتری منشائے الٰہی کا سبب تھی۔ اس نقطۂ نظر کے پس پشت وہ راہبانہ خیال و عقیدہ کارفرما ہے کہ دولت مندی یا خوشحالی معیار تقویٰ اور میزان طہارت پر صحیح نہیں تلتی بلکہ وہاں فقر و فاقہ کا وزن اور اس کی قیمت تولی جاتی ہے۔(۲) ان دونوں نظریات کا خالص نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کی معاشی حالت شروع سے دگرگوں اور کمزور تھی اور وہ چند مراحل کے سوا فقر و فاقہ کی زندگی میں ڈھلتی گئی۔ اس مختصر مضمون میں آپ کی مکی زندگی کی معاشی حالت کا تاریخی شواہد و روایات کی اساس پر ایک مختصر تجزیہ پیش کیا جا رہا ہے جس میں تقریباً تمام بنیادی نکات آ گئے ہیں البتہ بہت سی تفصیلات اور تشریحات وقت و مقام کی قلت اور علم کی محدودیت کے سبب رہ گئی ہیں۔

(۱) خاندانی ترکہ:

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتصادی زندگی کا جائزہ لیتے وقت پہلا اہم سوال یہ ہے

☆☆☆ میں نے امام شافعیؒ سے زیادہ کسی کو عقل والا نہیں پایا (ابو عبید) ☆☆☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ آپ کو اپنے والدین یا خاندان کے دوسرے بزرگوں سے کیا ترکہ/ عطیہ ملا تھا؟ اس سوال کے جواب میں ابتدائی مؤلفین سیرت میں ابن اسحاق (۳) اور ان کے مشہور تر جامع و تلخیص نگار ابن ہشام (۴) دونوں خاموش ہیں۔ البتہ ان کی تحریروں میں منتشر طور سے کچھ ترکہ کی نشاندہی ضرور ملتی ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مرحوم والد سے ملا تھا۔ قدیم مؤرخین میں ابن سعد نے اپنے شیخ واقدی کی روایت بیان کی ہے کہ ''عبداللہ بن عبدالمطلب نے ایک باندی ام ایمن، پانچ اراک کھانے والے اونٹ (اجمال ادارک) اور بکریوں کا ایک ریوڑ (قطعۃ غنم) چھوڑا جس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وارث ہوئے۔(۵) ہمارے بیشتر مؤلفین سیرت نے اسی بیان کو اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے اور بہت کم کسی نے اس موضوع پر تحقیق کرنے کی کوشش کی ہے۔(٦) حیرت اس بنا پر زیادہ ہوتی ہے کہ مختلف مآخذ میں یہ ذکر کئی مقامات پر ملتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پدری ترکہ میں یہ یہ چیزیں ملی تھیں۔ اس کے علاوہ کچھ ایسے قرائن اور روایات بھی ملتی ہیں جن کی بنا پر یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ والدین کی منقولہ جائیداد بھی ان کی وفات کے بعد آپ کو ملی تھی۔ مثال کے طور پر ابن اسحاق کا بیان ہے کہ شادی کے بعد ''جناب عبداللہ نے سیدہ آمنہ کو مکان مہیا کیا اور دونوں نے ازدواجی زندگی کا آغاز کیا۔''(۷) ظاہر ہے کہ یہ ''پدری اور مادری مکان'' آپ کو ترکہ میں ملا تھا۔ اس قیاس کی تصدیق کئی روایات سے ہوتی ہے جو حدیث و سیرت کے مآخذ میں ملتی ہیں۔ صحاح کی کئی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اپنے ترکہ میں قدیم مکان بھی ملا تھا جسے آپ کے عم زاد بھائی حضرت عقیل بن ابی طالب ہاشمی نے اپنے زمانۂ کفر میں غالباً آپ کی ہجرت مدینہ کے فوراً بعد ابوسفیان بن حرب اموی کے ہاتھوں بیچ ڈالا تھا۔(۸) واقدی اور ابن سعد نے اس روایت کو بھی بیان کیا ہے مگر اس میں آپ کے مکان (منزلک) اور آپ کے استفہام کہ ''عقیل نے ہمارے لئے کوئی مکان کہاں چھوڑا ہے'' کا حوالہ ہے۔ مگر بلاذری کی روایت اور واضح ہے کہ حضرت عقیل نے اپنے حقیقی بھائی بہنوں جو مسلمان ہو کر ہجرت کر گئے تھے، کے مکانات کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکان بھی بیچ ڈالا تھا۔(۹) ابن اسحاق وغیرہ کے ہاں آپ کے مکان (بیت/ دار) کا حوالہ متعدد مواقع پر آیا ہے۔ ان کے علاوہ بعض اور مآخذ میں بھی اس کی تصریح ملتی ہے۔(۱۱) ان تمام بیانات و روایات سے یہ نتیجہ اخذ کرنا غلط نہ ہوگا کہ آپ کو ایک مکان ترکہ میں ملا تھا جس کے آپ مالک تھے اور غالباً اسی میں تاہجرت قیام فرما رہے۔

فضل العالم علی العابد کفضل القمر علی سائر الکواکب (سنن ابوداود و ترمذی)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جناب عبداللہ بن عبدالمطلب کی وفات کے ضمن میں یہ ذکر بھی آتا ہے کہ وہ برائے تجارت گئے تھے اور قریشی قافلہ میں اہل مکہ کے کچھ لوگوں کا سامانِ تجارت لے کر گئے تھے۔ واپسی پر مدینہ منورہ کے قریب بیمار ہوئے اور ان کی درخواست پر ان کو کارواں کے رفقاء ان کے ننہالی رشتہ داروں بنونجار/ خزرج کے ہاں چھوڑ گئے تاکہ صحت یابی کے بعد سفر کرسکیں، مگر وہ بیماری سے جاں بر نہ ہو سکے اور جب ان کی خبر گیری کے لئے ان کے والد مکرم نے ان کے بڑے بھائی کو بھیجا تو وہ اللہ کو پیارے ہو کر مدینہ منورہ کی خاک میں مدفون ہو چکے تھے۔ ابن ہشام اور ان کے شیخ المشائخ ابن اسحاق نے عبداللہ کے سامان تجارت کا حوالہ نہیں دیا اور نہ ہی اتنی تفصیلات دی ہیں۔(۱۲) یہ تفصیلات واقدی کے حوالہ سے ابن سعد نے دی ہیں۔(۱۳) مؤخر الذکر نے مدینہ منورہ سے عبداللہ کے سامان تجارت لانے کا ذکر نہیں کیا ہے۔ بلاذری نے ابن سعد کی دونوں روایات اس باب میں بیان کر دی ہیں اور مختصراً وہی تفصیلات بھی ہیں لیکن عبداللہ کی وفات کے بعد ان کے بڑے بھائی حارث کے بھیجنے کی جگہ وہ دوسرے بڑے بھائی زبیر بن عبدالمطلب کے بھیجے جانے کا ذکر کرتے ہیں مگر سامانِ تجارت کا وہ بھی ذکر نہیں کرتے۔(۱۴) ابن کثیر نے زیادہ تر ابن اسحاق و ابن ہشام کی پیروی کی ہے اس لئے ان کے ہاں اس قسم کی تمام معلومات غیر موجود ہیں۔(۱۵) اگرچہ عبداللہ کے سامانِ تجارت کے بارے میں ہماری تلاش و تحقیق ناقص ہے تاہم یہ ثابت ہوتا ہے کہ عبداللہ اپنی وفات کے قریب جبکہ وہ پچیس سال کے تھے ایک ابھرتے ہوئے تاجر بن چکے تھے اور شامی تجارت میں حصہ لینے کا مطلب معلوم ہوتا ہے کہ وہ مقامی تجارت کی سطح سے بلند ہو کر نوجوان تاجروں میں وہ مقام پا چکے تھے کہ اپنے سامان کے ساتھ دوسرے باشندگان و تاجرانِ مکہ کا سامان تجارت بھی شام لے جاسکیں۔ اس بنا پر ان کو ایک خوشحال والد عبدالمطلب کی دولت و تجارت کا پشتہ لگا ہوا تھا۔ لہٰذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ نہ صرف ان کے آخری سفر تجارت کا مال اور نفع ان کے یتیم و یسیر فرزند کے حصہ میں آیا ہوگا بلکہ ان کی تجارت سے حاصل کردہ نقد و جنس پر مشتمل کمائی بھی ملی ہوگی۔ اس کی تائید بعض اور روایات و قرائن سے ہوتی ہے۔ ابن سعد و بلاذری کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ آئے تو آپ کے پاس ایک تلوار بھی تھی جو آپ کو اپنے والد گرامی سے ترکہ میں ملی تھی۔ اس کا قوی قرینہ ہے کہ آپ اپنے والد/ والدین سے کچھ اور اسلحے، جیسے تیر و کمان، ڈھال خود اور گھریلو ضروری سامان بھی ملے تھے۔ ان کی تفصیلات بہرحال تحقیق طلب ہیں۔(۱۶) آئندہ

ایک عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسے کہ چاند کی فضیلت دوسرے تمام ستاروں پر (سنن ابوداود و ترمذی)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بعض سرخیوں اور عنوانوں کے تحت معاش نبوی کے بعض وسائل و ذرائع کا ذکر آ رہا ہے، ان میں سے کئی کا ماخذ حصول اور سرچشمۂ وصول مجھے معلوم نہیں ہو سکا۔ بعض کے بارے میں کہا جا سکتا ہے کہ وہ والدین و جدامجد یا مختلف چچاؤں وغیرہ کے عطایا سے آئے تھے کہ اس وقت تک آپ خود اپنے آزاد ذرائع کے ذریعہ کمانے کے قابل نہ ہوئے تھے۔ ایسے غیر معلوم ذرائع و وسائل میں سے زیادہ قرینہ یہ ہے کہ وہ آپ کو پدری ترکہ یا والد کی میراث سے ملے ہیں کہ بہرحال دونوں شریف و نجیب خاندانوں سے تعلق رکھنے کے ساتھ ساتھ خوشحال بلکہ متمول گھرانوں کے افراد تھے۔

(۲) رضاعت نبوی:

اس عالم خاک و باد اور جہانِ اسباب و اثرات میں درود مسعود کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت کی ذمہ داری آپ کے جدامجد عبدالمطلب، والدۂ ماجدہ بی بی آمنہ اور متعدد چچاؤں کے کندھوں پر آ پڑی تھی اور اسے ان سب نے قریشی روایاتِ خاندان اور عرب معیارات جو سخا کے مطابق بخوبی انجام دیا تھا۔ روایاتِ حدیث و سیرت کا اتفاق ہے کہ آپ کی اولین رضاعت کا فریضہ آپ کی والدہ ماجدہ نے ادا فرمایا۔(۱۷) آپ کا چچا ابولہب بن عبدالمطلب جو بعد میں آپ کا دشمن جاں ثابت ہوا آپ کی پیدائش پر اتنا خوش ہوا کہ اس نے نہ صرف اپنی باندی ثوبیہ کو آپ کی رضاعت پر مامور کیا بلکہ اسی خوشی میں اس کو آزادی بھی عطا کر دی۔(۱۸) کچھ مدت کے بعد عرب دستور کے مطابق جدامجد عبدالمطلب نے آپ کی رضاعت کے لئے دودھ پلائی (مراضع/رضعاء) تلاش کیں اور بالآخر یہ سعادت حضرت حلیمہ سعدیہ کے حصہ میں آئی۔ انہوں نے دو برس کی عمر تک آپ کو نہ صرف دودھ پلایا بلکہ بہترین اور اپنے وسائل و ذرائع سے کہیں زیادہ روایتی الفت و محبت کے ساتھ آپ کی پرورش کی۔ یہ آپ کی محبت بے کراں اور والہانہ شیفتگی تھی کہ وہ دودھ چھڑانے کے بعد بھی تین برس تک آپ کی پرورش و پرداخت کرتی رہیں۔(۱۹) ترمذی میں حضرت ابوالطفیل سے مروی ہوا ہے کہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر تھا کہ ایک خاتون آئیں آپ نے ان کے احترام میں اپنی چادر بچھا دی۔ جب وہ چلی گئیں تو لوگوں نے بتایا کہ ان خاتون نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا۔(۲۰) ممکن ہے کہ بعض اور مراضع اور دودھ پلائیاں رہی ہوں یا نہ رہی ہوں۔(۲۱) یہاں اصل مسئلہ یہ ہے کہ ان دودھ پلائیوں کو

☆ اترکوا قولی بخبر الرسول ﷺ ☆ حدیث شریف کے مقابل میرے قول کو چھوڑ دو (ابو حنیفہ) ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اجرت پر حاصل کیا گیا تھا اور ان کو اجرت کی ادائیگی کس نے کی تھی۔ اور کتنی کی تھی؟ ان کے حتمی جوابات تو نہیں مل سکے مگر یہ واضح ہے کہ آپ کی رضاعت کے اس اہم باب کی مزید تحقیق کی جائے تو حلیمہ سعدیہ کی رضاعت (۲۲) کی اجرت کا پتہ چل جائے۔ بہرحال یہ بھی اتنا ہی واضح ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ اور جدامجد نے یہ بارخوشگوار و مسرت آگیں اٹھایا تھا۔ ثوبیہ کا معاملہ بتاتا ہے کہ اس مسرت و سعادت میں آپ کے چچاؤں نے بھی حصہ لیا تھا۔ ابولہب نے تو اپنی باندی کو آزادی جیسی نعمت عطا کر دی تھی۔ (۲۳) جب کہ عبدالمطلب اور بی بی آمنہ نے بھی ان کے ساتھ اور خاص کر بی بی حلیمہ سعدیہ کے ساتھ حسن سلوک کیا تھا۔ یہاں ایک شبہہ کا ازالہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے جو متعدد سیرت نگاروں کی تحریروں میں دانستہ یا غیر دانستہ در آیا ہے کہ آپ کی یتیمی و یسیری کے سبب نہیں بلکہ آپ کی اس کے نتیجہ میں معاشی کمزوری کے سبب بی بی حلیمہ سعدیہ اور ان سے پہلے دوسری تمام دودھ پلائیاں آپ کی رضاعت کی سعادت حاصل کرنے سے گریزاں تھیں۔ (۲۴) ابن اسحاق و ابن ہشام اور ان کے پیروکار سیرت نگاروں کے بیانات و روایات سے واضح ہوتا ہے کہ وہ سب فطری طور سے نومولود کے باپ سے بہتر حسن سلوک اور عزیز تر معاوضہ کی توقع رکھتی تھیں اور بقول ابن اسحاق ان کو یہ خیال تھا کہ ماں اور دادا کیا سلوک کر سکیں گے۔ اس لئے آپ کی یتیمی ان کی راہ میں رکاوٹ اور وجہ گریز بنتی تھی۔ (۲۵) بہرحال دادا عبدالمطلب اور ماں بی بی آمنہ کی خاندانی وجاہت و متمول اور سماجی قدر و منزلت نے ان کو بہتر معاوضہ کا یقین دلا دیا ہوگا اور بعد کے واقعاتِ سعادت نے ان کو دنیاوی مال و دولت سے زیادہ خیر کثیر حاصل کرنے کا موقع فراہم کر دیا۔

(۳) کفالت والدہ ماجدہ:

بی بی حلیمہ سعدیہ کے علاقہ (بنوسعد بن بکر کے مقام توطن) سے واپسی کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی والدۂ ماجدہ بی بی آمنہ کی محبت بھری پرورش اور شفیق جدامجد عبدالمطلب کی لطف انگیز پرداخت سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ ہمارے تمام قدیم مآخذ و مصادر اور سیرت و حدیث متفقہ طور سے یہ بتاتے ہیں کہ چھ سال کی عمر شریف تک یعنی تقریباً سال سوا سال آپ والدۂ ماجدہ کے زیر پرورش رہے اور آخر میں بی بی آمنہ آپ کو لے کر مدینہ منورہ گئیں تا کہ بنوعدی بن تجار کے نہالی رشتہ داروں سے آپ کی ملاقات کرا لائیں اور اسی سفر کے خاتمہ پر وہ مقام ابواء پر اس دارِ

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ: امام مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم رخصت ہو جاتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فانی سے کوچ کر گئیں اور وہیں مدفون ہوئیں اور آپ کو حضرت ام ایمن مکہ مکرمہ میں دادا کی نگہداشت و پرورش کے لئے لے کر آئیں۔(۲۶) بعض روایات سے مدینہ منورہ کے قیام مختصر کی کچھ معمولی معلومات ملتی ہیں۔(۲۷) مگر سیرت نبوی کے باب میں یہ خلاء ابھی تک ہماری ناقص معلومات کے سبب پایا جاتا ہے کہ آپ کی والدۂ ماجدہ نے آپ کی کفالت کیونکر اور کن ذرائع سے کی۔ قیاس یہ ہے کہ ان کو اپنے مرحوم شوہر کے ترکہ و اثاثہ کے علاوہ اپنے میکے بالخصوص والدین کے خاندانِ بنو زہرہ سے بھی امداد ملی ہوگی اور ان کے سسرالی رشتہ داروں میں ان کے خسر معظم بڑے دیوروں اور ان کے اہل خاندان اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھیوں نے بھی کافی سرگرم حصہ لیا ہوگا کیونکہ آپ ان سب کے چہیتے اور محبوب بھتیجے تھے۔(۲۸) لیکن یہ قیاس قیاس ہی رہے گا جب تک اس کی تاریخی و روایتی طور سے شہادت و تصدیق فراہم نہیں ہوتی۔ حیرت ہے کہ ہمارے ابتدائی راویوں نے آپ کے والدین بالخصوص والدۂ ماجدہ کے بارے میں تاریخی روایات خاص کر آپ تربیت و پرورش سے متعلق حقائق محفوظ نہیں رکھے جتنے کہ انہوں نے آپ کی پیدائش وغیرہ کے سلسلہ میں معجزات و کرامات اور محیر العقول روایات محفوظ رکھی اور نقل کی ہیں۔(۲۹) البتہ تاریخی روایات سے یہ ضرور واضح ہوتا ہے کہ آپ کی پیدائش کے روز ہی سے آپ کے دادا نے ہر طرح آپ کی دیکھ بھال کی تھی۔

(۴) کفالت جدامجد:

والدۂ ماجدہ کے مقابلہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جدامجد عبدالمطلب بن ہاشم کی کفالت نبوی کے زیادہ واقعات، روایات بالتفصیلات دستیاب ہیں۔ تقریباً تمام مآخذ حدیث و مصادر سیرت کا اتفاق ہے کہ والدۂ ماجدہ کی وفات کے بعد آپ براہِ راست اپنے جدامجد کی کفالت میں آ گئے، اور دو برس تک اس سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ آپ کے دادا آپ سے غیر معمولی شفقت و محبت کرتے تھے۔ مسجد حرام میں سایۂ کعبہ تلے ان کے لئے مخصوص فرش لگایا جاتا۔ ان کے اجلال و اکرام میں اس پر کوئی نہ بیٹھتا۔ آپ بچپن سے جب والدۂ محترمہ زندہ ہوں گی دادا کی اس مجلس خاص میں ان کی مسند اجلال پر تشریف فرما ہوتے تھے۔ اور جب آپ کے چچا جو مسند خاص کے کنارے بیٹھتے تھے آپ کو منع کرتے تو شفیق دادا ان کو روکتے، اپنے فرش بلکہ اپنے زانوؤں پر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

محبت کی گود میں بٹھاتے اور شفقت سے آپ کی پشت مبارک پر ہاتھ پھیرتے ابن سعد نے کئی سندوں سے نقل کیا ہے کہ والدہ کے انتقال کے بعد عبدالمطلب نے آپ کو اپنے گھر میں ساتھ رکھا اور آپ پر اتنی شفقت کرتے تھے کہ اتنی اولاد پر یا کسی بچے پر نہیں کرتے تھے۔ ہمیشہ ساتھ رکھتے اور پاس بٹھاتے، خلوت و جلوت میں ان کو آنے کی اجازت تھی حتیٰ کہ سوتے وقت بھی آپ دادا کے پاس چلے جاتے تھے اور رہتے تھے۔ دادا محبت سے آپ کو اپنے فرش پر بٹھا لیتے تھے۔ وہ جب کھانا کھاتے تھے تو آپ کو ہمیشہ ساتھ بٹھاتے بلکہ آپ کے بغیر کھانا نہیں کھاتے تھے۔ آپ کی دیکھ بھال کے لئے حضرت ام ایمن روزِ اول سے مامور تھیں۔ ان کو عبدالمطلب ہمیشہ نصیحت کرتے رہتے کہ آپ کی طرف سے کبھی ذرا بھی غفلت و کوتاہی نہ برتیں کہ آپ کی انگ شان اور آن بان ہے۔ دادا جان کی یہی بے پناہ شفقت و محبت تھی کہ جب ان کی وفات ہوئی تو آپ ان کے جنازے کے پیچھے روتے جاتے تھے اور عرب روایات کے علاوہ شاید یہی تعلق خاطر تھا کہ آپ اپنے کو ''ابن عبدالمطلب'' کے نام سے روشناس کراتے تھے۔ ان تفصیلات سے جو تفصیلات نہیں کہی جاسکتیں یہ بہرحال واضح ہوتا ہے کہ آپ کی آٹھ برس کی عمر شریف تک اولاً بشرکت والدہ ماجدہ اور بعد میں بلاشرکت غیرے پوری اور ہر طرح کی کفالت آپ کے دادا نے کی تھی۔

(۵) کفالت عم/ اعمام نبوی:

ہمارے بیشتر ابتدائی، قدیم اور جدید مصادر و کتب صرف یہ روایت تسلیم کرتے ہیں کہ جدامجد عبدالمطلب نے اپنی وفات کے وقت صرف اپنے فرزند ابو طالب عبد مناف بن عبدالمطلب ہاشمی کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تربیت و پرورش کی ذمہ داری سونپی تھی اوران کو اس کی خاص وصیت کی تھی۔ اور ابو طالب نے اس وصیت پدری پر دل و جان سے عمل کیا اور آپ کو دادا کی وفات کے بعد اپنی آغوش محبت میں لے لیا۔ بالعموم ایک وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ابو طالب کو یہ ذمہ داری اس لئے سونپی تھی کہ وہ آپ کے حقیقی چچا تھے یعنی ابو طالب اور عبداللہ ایک ہی ماں کے فرزند بھی تھے جبکہ اکثر چچا دوسری ماؤں سے تھے۔ بعض روایت سے جن کی اسنادی حیثیت مشکوک بتائی جاتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ عبدالمطلب نے اپنی وفات کے قریب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو حقیقی اعمام زبیر بن عبدالمطلب اور ابو طالب کو کفالت و حفاظت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بظاہر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وصیت کی تھی کہ دونوں آپ کے والد مرحوم عبداللہ کے حقیقی بھائی تھے۔ ابن کثیر نے اموی کی کتاب المغازی کی بنا پر یہ روایت نقل کی ہے کہ عبدالمطلب کی وفات کے بعد آپ کے چچاؤں نے آپ کی کفالت کی تھی اگرچہ اس میں وصیتِ پدری کا ذکر نہیں ہے لیکن وہ پنہاں سمجھا جا سکتا ہے۔ اس میں یہ بھی ذکر ہے کہ آپ زبیر بن عبدالمطلب کے ساتھ یمن کے سفر تجارت پر بھی گئے تھے جب کہ آپ دس بارہ سال (بضع عشرہ سنہ) کے تھے اور اس سفر کے دوران بعض معجزات و برکات کا بھی ظہور ہوا تھا۔ پھر آپ کے چچا زبیر کا انتقال ہو گیا جب آپ کی عمر شریف چودہ سال کی تھی اور ابو طالب نے آپ کی کفالت کا بار تنہا اٹھا لیا۔ اگرچہ سند کے اعتبار سے اور بعض واقعاتی شہادتوں کے لحاظ سے اس روایت کا درجہ گر جاتا ہے تاہم بعض دوسرے شواہد و قرائن سے یہ بات سچی اور حقیقی معلوم ہوتی ہے کہ دونوں چچاؤں نے آپ کی کفالت کی تھی اور زبیر کی وفات کے بعد ہی ابو طالب نے تنہا یہ سعادت پائی تھی۔ ان میں سے ایک تو یہ حقیقت ہے کہ زبیر بھی ابو طالب کی طرح عبداللہ کے سگے بھائی اور حقیقی چچا تھے۔ دوسرے وہ آپ کو بہت چاہتے تھے اور بچپن میں آپ کو جھولا جھلاتے اور لوری سناتے تھے۔ آپ کو بھی ان سے محبت تھی کہ آپ نے اپنے بیٹے کا نام ان کے فرزند کے نام پر اور زبیر کی کنیت ابو الطاہر کی رعایت سے رکھا تھا۔ اس کے علاوہ عبداللہ کی وفات کے بعد ان کا اثاثہ لینے اور ان کے بارے میں معلومات حاصل کرنے بلکہ دراصل ان کی موت سے قبل ان کی تیمارداری کرنے کے لئے ایک روایت کے مطابق عبدالمطلب نے زبیر بن عبدالمطلب ہی کو بھیجا تھا۔ یہی زیادہ قرین قیاس لگتا ہے کیونکہ حارث کے مقابلہ میں زبیر کا ابو طالب و عبداللہ کی طرح بنو عدی بن نجار سے زیادہ گہرا تعلق تھا۔ پھر متعدد روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ حارث بن عبدالمطلب کا اپنے والد کی زندگی ہی میں عبداللہ سے پہلے ہی انتقال ہو چکا تھا۔ اس سے اہم یہ کہ زبیر بن عبدالمطلب اور ابو طالب بن عبدالمطلب کے ایک ساتھ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کفالت کرنے میں کوئی ایسی منافرت و تضاد نہیں۔ دونوں کو نہ صرف اس سعادت سے عہد جاہلیت میں بھرپور حصہ ملتا ہے بلکہ زبیر کی وفات کے بعد خواہ وہ کبھی ہوئی ہو بالخصوص عہد اسلامی میں ابو طالب کو بلاشرکت غیرے آپ کی حمایت و نصرت کی خوش بختی نصیب ہوتی ہے۔ اس کا کوئی انکار نہیں کرتا اور جو کرتا ہے وہ بلاسند و بلاجواز کرتا ہے۔ اور سب سے اہم اور آخری بات یہ کہ اگر سند کے لحاظ سے زبیر بن عبدالمطلب کی کفالت نبوی بتانے والی روایت کمزور ہے تو ابن اسحاق و ابن ہشام وغیرہ کے مطابق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابو طالب کو بوقت مرگ عبدالمطلب کی وصیت کی روایت بھی کچھ ایسی زیادہ مضبوط نہیں بلکہ ضعیف ہے کیونکہ رواۃ نے اس کو فیما یزعمون (جیسا کہ ان کا گمان ہے/ یا ان میں سے ہے جو وہ گمان سے کہتے ہیں) کے لاحقہ کے ساتھ روایت کیا ہے اور یہ جیسا کہ اہل علم جانتے ہیں روایت کے کمزور ہونے کی علامت ہے۔ بہرحال ابھی تک بیشتر علماء و محققین نے زبیر کے کفالت نبوی کرنے والی روایت کو تسلیم نہیں کیا ہے کہ وہ شہرتِ عام رکھنے والی روایت کے متوازی یا متصادم سمجھی جاتی ہے۔ اور جب تک مزید تحقیق و تائید نہ ہو جائے اسے بالعموم تسلیم کرنے میں عام تامل ہی پایا جائے گا۔ حالانکہ ابولہب کے طرزِ عمل کی روشنی میں جو بعثت نبوی تک کم از کم محبت آمیز و شفقت آگیں ہی رہا تھا۔ دوسرے اعمام نبوی بالخصوص زبیر بن عبدالمطلب کی کفالت و پرورش کی روایت نہ عقل کے خلاف ہے اور نہ عام سیرت اور انسانی طرزِ عمل کے خلاف۔ اس تمام بحث کا مقصود یہ ہے کہ ابو طالب کے ساتھ دوسرے اعمام نبوی کی کفالت کے بارے میں تحقیق و جستجو کی جائے ورنہ ہمارے بنیادی نکتہ پر اس سے کوئی خاص اثر نہیں پڑتا کہ آپ کی کفالت ایک چچا نے کی تھی یا اس میں کئی شریک تھے۔ وہ بہر کیف آپ کے اپنے وسائل کے علاوہ ایک خارجی وسیلہ سے ہوئی تھی۔

روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ ابو طالب کی مالی حالت اچھی نہ تھی اور کثرت عیال نے اس کو اور سقیم بنا دیا تھا تاہم ان کے محبت بھرے دل نے اپنے یتیم و یسیر اور چہیتے بھتیجے کی دیکھ بھال اور پرورش و پرداخت میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ ابن اسحاق و ابن ہشام کے مطابق آپ ہمیشہ و ہمہ وقت ابو طالب کے پاس رہنے لگے۔ ابن سعد کا بیان زیادہ مفصل ہے۔ ابو طالب آپ سے اتنی محبت کرتے تھے جتنی وہ اپنی کسی اولاد سے نہ کرتے۔ آپ کو اپنے پہلو میں سلاتے اور جہاں جاتے ساتھ لے جاتے۔ اور آپ پر غایت شفقت کرتے اور آپ کے کھانے پینے کا خاص اہتمام کرتے۔ روایت ہے کہ ابو طالب کے اہل و عیال جب ساتھ یا اکیلے کھاتے تو ان کو سیرابی نہ ہوتی، مگر جب آپ شریک طعام ہوتے تو سب سیر ہو جاتے۔ اسی لئے ابو طالب ان کو ہمیشہ تاکید کرتے کہ میرے بیٹے کو آ جانے دو تب اس کے ساتھ کھانا کھاؤ۔ ابو طالب بطحا میں ایک مخصوص تکیہ/ مسند پر ٹیک لگا کر بیٹھا کرتے تھے، ایک دن آپ جب کہ بچے ہی تھے اس کو اٹھا لے گئے اور اس پر آرام فرما ہوئے۔ ابو طالب کو آنے پر جب اصل بات معلوم ہوئی تو خوشی کا اظہار کیا اور آپ نے مزید آرام کی آرزو کی۔ بلاذری نے روایت نقل کی ہے کہ ابو طالب کے گھر کھانے کی قلت ہوتی تھی اس لئے آپ اکثر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دنوں میں صبح صبح زمزم پر جاتے اور پانی پی لیا کرتے اور جب صبح کا کھانا پیش کیا جاتا تو فرمایا کرتے کہ میں شکم سیر ہوں۔ ابن کثیر نے ایک روایت یہ بھی بیان کی ہے کہ صبح صبح جب ابو طالب بچوں کو کھانا/ ناشتہ دیتے تو وہ چھین جھپٹ کرتے اور آپ اپنے ہاتھ روکے بیٹھے رہتے اس لئے شفیق چچا نے آپ کے کھانے کا الگ انتظام کر دیا تھا۔ آپ کی محبت کرنے والی چچی حضرت فاطمہ بنت اسد ہاشمی کے بارے میں بھی آتا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو کھانا نہیں دیتی تھیں اور آپ کے لئے بچا بچا کر رکھتی تھیں۔ ان تمام تفصیلات سے یہی واضح ہوتا ہے کہ ابو طالب اور ان کی اہلیہ محترمہ نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش و کفالت میں کسی طرح کا دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا اور عالم جوانی تک جب تک آپ خود کمانے کے قابل نہ ہو گئے، آپ کی دیکھ بھال کرتے رہے۔ محبت بھری دیکھ بھال تو پھر بھی بلکہ آپ کی سہولت تک جاری رہی جب آپ نے احسان مندی سے ان کا بوجھ بٹا لیا تھا۔ تمام مصادر میں ابو طالب کے ساتھ آپ کے بارہ سال کی عمر میں شام کو ایک تجارتی سفر میں جانے کا واقعہ بھی تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔ وہ بھی شفیق چچا کی بے کراں محبت کا ثبوت تھا جو وہ اپنے دل میں اپنے بھتیجے کے لئے رکھتے تھے۔

(۶) اولین خود کفالتی:

شفیق و کریم چچا کے گھر میں قیام اور ان کفالت و محبت سے فیضیاب ہونے کے ساتھ ساتھ آپ نے ان کا ہاتھ بٹانے کی کوشش کی خواہ وہ کتنی حقیر و معمولی کیوں نہ رہی ہو۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بکریاں چرائیں۔ کچھ مؤرخین اور سیرت نگاروں نے یہ وضاحت کی ہے کہ آپ نے اپنے چچا ابو طالب کی بکریاں چرائیں لیکن اس کی تائید میں کوئی روایت نہیں ملتی البتہ ابن اسحاق وغیرہ کے ہاں یہ روایت ضرور ملتی ہے کہ آپ حلیمہ سعدیہ کے بچوں کے ساتھ ان کی بکریاں چرایا کرتے تھے۔ اور ایسے ہی ایک موقعہ پر بچپن کے شق صدر کا واقعہ پیش آیا تھا۔ امام بخاری اور امام ابن ماجہ کی روایت ہے کہ آپ نے خود ایک بار ارشاد فرمایا تھا کہ میں بکریاں (غنم) قراریط پر مکہ والوں کے لئے چرایا کرتا تھا۔ اس حدیث نبوی کی تشریح و تفسیر اور مقصود میں علماء و محققین کے ہاں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ابن ماجہ کے شیخ سوید کی رائے ہے کہ آپ ہر بکری ایک قیراط (سکے) کے عوض چرایا کرتے تھے یعنی مکہ والوں کی بکریاں اجرت پر چراتے تھے لیکن علامہ عینی

حضرت امام شافعی رحمہ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ: امام مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم رخصت ہو جاتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شارح بخاری نے ابراہیم حربی اور ابن جوزی وغیرہ کی رائے کی بناء پر یہ مفہوم بیان کیا ہے کہ قراریط ایک مقام کا نام ہے اور وہ اجیاد نامی مقام کے خواب ہی ہے اس لئے آپ اجرت پر نہیں چراتے تھے اور اسی کی راجح قرار دیا۔ مولانا شبلی نعمانی نے اس کے علاوہ نورالنبر اس کا حوالہ دے کر اس کے مفصل بیان ہونے اور راجح ہونے کا ذکر کیا ہے۔ لیکن یہ تشریح و تعبیر اور ترجیح صحیح معلوم نہیں ہوتی کیونکہ حدیث کے دو عظیم ترین اماموں بخاری اور ابن ماجہ نے اس کو بالترتیب ''کتاب الاجارۃ'' اور ''کتاب التجارات'' میں نقل کیا ہے اور ان دونوں کے متعلقہ ابواب ''باب رعی الغنم علی قراریط'' اور ''باب الصناعات'' بھی اس کی مزید تائید کرتے ہیں کہ آپ یہ خدمت اجرت پر انجام دیا کرتے تھے۔ اہل قلم واقف ہیں کہ امام بخاری کے تراجم ابواب فقہ حدیث میں حرف آخر کا درجہ رکھتے ہیں۔ پھر لاھل مکۃ (اہل مکہ کے لئے) کا فقرہ مزید ثابت کرتا ہے کہ آپ اجرت پر یہ کام کیا کرتے تھے ورنہ مکہ والوں کے لئے بلا اجرت خدمت انجام دینے کا مفہوم ہی خبط ہو جاتا ہے۔ دوسرے بہت سے علماء محققین نے اجرت پر بکریاں چرانے ہی کی تائید و تصدیق کی ہے اور بہت قوی دلائل دیئے ہیں۔ اور ان سے بحث کرنا ہمارے موجودہ مسئلہ سے تعلق نہیں رکھتا۔ بہرحال یہ محنت کا معاملہ تھا اور آپ نے اسی سے اپنی معاشی زندگی کا آغاز کیا۔

(۷) تجارت نبوی:

عنفوان شباب تک رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وسائل آمدنی اور ذرائع معاش کا اگر جائزہ لیا جائے تو وہ بالترتیب یہ تھے (۱) والد کا ترکہ، (۲) دادا کی کفالت وعطیہ، (۳) اعمام نبوی بالخصوص زبیر بن عبدالمطلب اور ابو طالب بن عبدالمطلب کی کفالت و پرورش اور (۴) بکریاں چرانے کی خدمت جو اجرت پر آپ نے قبول کی تھی اور اس میں اپنے اہل و عیال اور خاندان کے جانوروں/ بکریوں کا چرانا بھی شامل تھا کہ عادت کے مطابق اکثر چرواہے اپنی بکریوں/ جانوروں کے ساتھ ہی دوسروں کے جانور چراتے ہیں ابھی تک کم از کم میری معلومات اس باب میں ناقص ہیں کہ آپ کو اس خدمت سے کتنی یافت و آمدنی ہوتی تھی۔ شیخ ابن ماجہ سوید بن سعید کی رائے کے مطابق اگر ایک بکری ایک قیراط پر چرائی جاتی تھی تو بہت معمولی آمدنی ہوتی ہوگی۔ بہرحال یہ صرف قیاس و استنباط ہی ہے۔ اصل حقیقت تو اللہ ہی کو معلوم ہے اور اس کی ایک جھلک صحیح معلومات ملنے پر

☆ امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی مل سکتی ہیں۔ بہرکیف آپ کے گزارے کے لئے وہی وجہ معاش نہ تھی کہ کفالت کے لئے شفیق چچا اور دوسرے اعزہ موجود تھے۔

جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے ہی آپ نے نوجوانانِ قریش کی مانند تجارت کا مشغلہ اپنایا کہ یہی قبیلہ کی روایت اور شہر و خاندان کی ریت تھی۔ اپنے بچپن میں آپ نے اپنے چچا زبیر بن عبدالمطلب اور ابو طالب کے ساتھ کم از کم یمن و شام کے دو سفر کئے تھے اور ابن سعد وغیرہ کی بعض اور روایات سے آپ کے اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ یا دوسرے رفقاء کے ساتھ بازاروں میں موجودگی معلوم ہوتی ہے۔ ان کے ذریعہ تجارت و کاروبار سے ابتدائی تعارف تو حاصل ہی کرلیا تھا۔ آپ نے اپنی آزادانہ تجارت کب شروع کی اور کب سے باقاعدہ تجارت کو اپنا وسیلۂ رزق بنایا ابھی تک کی معلومات کے مطابق کوئی حتمی وقت مقرر کرنا مشکل ہے۔ تاہم بلاذری کی ایک واضح روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے بیس سال کی عمر پار کرنے کے بعد سلسلۂ کاروبار شروع کیا مگر اس روایت میں حضرت خدیجہ کا سامان تجارت لے کر شام جانے کا ذکر ہے۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بعد کا واقعہ ہے جب آپ بطور تاجر اپنی حیثیت مسلم اور اپنی مہارت و محنت اور دیانت منوا چکے تھے۔ تاریخی روایات و شواہد اور قرائن کی بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے اٹھارہ بیس سال کی عمر شریف میں تجارت کا آغاز کیا ہوگا کہ لگ بھگ اسی عمر و سن میں آپ کے اجداد و آباء اور دوسرے قریشی تجار نے تجارت شروع کی تھی۔ (۵۲) لیکن یہ عجیب بات ہے کہ ہمارے تقریباً تمام قدیم و جدید مصادر آپ کی تجارت کا ذکر حضرت خدیجہ بنت خویلد اسدی سے شادی اور ان کی تجارت میں مضاربت کے حوالہ سے کرتے ہیں، جس سے یہ تاثر ابھرتا ہے کہ وہ آپ کی تجارت کا نقطۂ آغاز تھا۔ (۵۳) اس روایت میں بھی ایسے قرائن و شواہد موجود ہیں جو یہ واضح کرتے ہیں کہ اس وقت تک آپ بطور تاجر امین مکہ مکرمہ میں مسلم و مشہور ہو چکے تھے۔ بقول مولانا سید سلیمان ندوی "سن رشد" پہنچنے کے بعد آپ نے تجارت کا شغل اپنایا اور جلد ہی اس میں مہارت حاصل کرلی اور ایک حیثیت بنالی۔

آپ کی تجارت اور آپ کی طرح اور دوسرے ابھرتے ہوئے قریشی تاجروں کی تجارت بھی مضاربت کے اصولوں پر شروع ہوئی یعنی مکہ مکرمہ کے مالدار یا جو دور دراز کے سفر اور بازاروں کی مصروفیات سے گریز کرتے تھے یا بعض وجوہ سے خود نہیں کرسکتے تھے وہ دوسرے محنتی اور کارگزار و امانتدار اشخاص کو اپنا مال تجارت دے کر مختلف عرب کے بازاروں اور قریبی ممالک شام و یمن وغیرہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھیجا کرتے تھے اور نفع کا ایک تناسب جو فریقین میں طے پا جاتا تھا ''مضاربوں'' کو ادا کر دیتے تھے اس طرح دونوں کو فائدہ ہوتا تھا۔ (۵۴) یہ تقریباً یقینی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تجارت کا آغاز اسی اصول مضاربت کے مطابق کیا تھا اور حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے مال تجارت کو شام لے جانے سے قبل متعدد حضرات کے ساتھ تجارتی روابط قائم کر کے اپنی ساکھ بنا چکے تھے۔ بعثت و نبوت سے قبل رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جن شرکاء تجارت کا ذکر ملتا ہے ان میں حضرات سائب، قیس بن سائب مخزومی اور عبداللہ بن ابی الحماء شامل ہیں۔ وہ آپ کے معاملہ کی صفائی، راست گوئی، وعدہ وفائی اور حسن معاملہ کا اعتراف کرتے تھے۔ علامہ سید سلیمان ندوی نے ان شرکاء تجارت کے علاوہ حدود تجارت کی سرخی کے تحت عرب کے بازاروں میں بعاشہ کا ذکر کیا ہے جہاں حضرت خدیجہ نے تجارت کی غرض سے بھیجا تھا ان میں جرش (یمن) بھی شامل ہے جہاں آپ دو بار گئے تھے اور امام احمد بن حنبل کی ایک روایت کی بنیاد پر قیاس کیا ہے کہ آپ نے بحرین/ قبیلہ عبدالقیس کے علاقے کا سفر بھی برائے تجارت کیا تھا۔ (۵۵)

اور ان سب میں تفصیلات کے لحاظ سے آپ کا وہ سفر تجارت ہے جو حضرت خدیجہ کے مال کے ساتھ اور ان کے غلام میسرہ کی معیت میں آپ نے شام/ بصریٰ کا کیا تھا۔ روایات کے اختلاف کے مطابق جب آپ کی عمر مبارک بیس سے اوپر پچیس ہوگئی تو ابو طالب نے آپ سے کہا کہ میرے پاس مال نہیں رہا اور زمانہ سخت آن پڑا ہے۔ تمہاری قوم کے کاروانِ تجارت کے شام جانے کا وقت آ گیا ہے۔ خدیجہ بنت خویلد اسدی تمہاری قوم کے افراد کو اپنے کاروانِ تجارت میں بھیجا کرتی ہیں۔ اگر تم اپنے آپ کو پیش کرو تو وہ تمہیں جلدی قبول کر لیں گی۔ ایک روایت کے مطابق آپ نے معاملہ چچا کی صوابدید پر چھوڑ دیا اور انہوں نے حضرت خدیجہ سے بات کی اور وہ بخوشی تیار ہوگئیں۔ اور دوسری روایت کے مطابق حضرت خدیجہ کو جب چچا سے آپ کی گفتگو کا علم ہوا تو انہوں نے خود بلا بھیجا اور آپ کو سامانِ تجارت کے ساتھ شام بھیج دیا۔ آپ نے دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ نفع کمایا اور حضرت خدیجہ نے آپ کو حسب وعدہ دوسروں سے زیادہ دیا۔ اور اپنے میسرہ کی زبانی آپ کی معاملہ فہمی، راست بازی، محنت و دیانت کے واقعات سن کر خاصی متاثر ہوئیں۔ اکثر روایات یہ تاثر دیتی ہیں کہ اس سفر کے بعد حضرت خدیجہ سے آپ کی شادی ان کی یا اپنی تحریک سے ہوگئی۔ (۵۶) قیاس کہتا ہے اور اس کا امکان ہے کہ پہلے سفر تجارت اور شادی کے

☆☆☆ میں نے امام شافعی سے زیادہ کسی کو عقل والا نہیں پایا (ابو عبید) ☆☆☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

درمیانی عرصے شاید ایک دو یا زیادہ بار ان کا سامانِ تجارت لے کر گئے ہوں۔ (۵۷) اسی طرح یہ تاثر بھی عام ہے کہ حضرت خدیجہ سے شادی کے بعد آپ ان کی دولت وتجارت پر گویا تکیہ وانحصار کر کے بیٹھ گئے تھے۔ اور زمانہ بعثت تک بلکہ اس کے بعد ہجرت مدینہ یا ان کی وفات ۹ھ تک اپنا آزاد تجارتی مشغلہ ترک کر دیا تھا۔ یہ صحیح ہے کہ آپ کی تجارت کے بعد کے واقعات اور اس سے متعلق روایات نہیں ملتیں تاہم چند روایات وشواہد ایسے ہیں جو یہ ثابت و واضح کرتے ہیں کہ شغل تجارت بعثت نبوی کے بعد بھی جاری رہا تھا بلکہ آپ کی خودداری طبیعت، محنت واکل حلال پر زور دینے اور اس کی اہمیت پر آپ کی تعلیمات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اپنا تجارتی مشغلہ بعد میں بھی جاری رکھا ہوگا۔ بہرحال بعثت کے بعد تک مکی زندگی میں آپ کی تجارت سے متعلق روایات ملتی ہیں اور اب ہم انہیں کا تجزیہ کرتے ہیں۔

ابن کثیر نے مشہور جاہلی شاعر امیہ بن ابی الصلت کے ذکر کے لئے اپنی مخصوص فصل میں ایک طویل روایت طبرانی سے ایمن کی سند پر بیان کی ہے جو مرفوع ہے۔ اس کا لب لباب یہ ہے کہ ابوسفیان بن حرب اموی اپنے دوست امیہ بن ابی الصلت ثقفی کے ساتھ برائے تجارت شام گئے اور وہاں دو ماہ قیام کر کے مکہ واپس آئے اور پھر یمن کے سفر تجارت پر چلے گئے جہاں پانچ ماہ قیام کیا اور پھر مکہ مکرمہ واپس آئے۔ لوگوں کو خبر ہوئی تو وہ ان سے ان کی قیامگاہ پر آ کر ملنے اور اپنے سامانِ تجارت (بضائعہم) کے بارے میں پوچھنے لگے۔ حتیٰ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ اس وقت ان کی اہلیہ ہندہ بیٹھی ہوئی اپنے بچوں کے ساتھ کھیل رہی تھیں۔ آپ نے ابوسفیان کو سلام کر کے مبارک باد دی اور ان کے سفر و قیام کے بارے میں گفتگو کی مگر اپنے سامان (بضاعتہ) کے بارے میں کچھ نہ پوچھا اور تشریف لے گئے۔ ابوسفیان نے ہند سے کہا کہ "مجھے آپ پر بڑا تعجب ہے بلکہ آپ مجھے اچھے لگتے ہیں۔ قریش کے ہر آدمی نے جس کا سامان میرے پاس تھا مجھ سے اس کے بارے میں ضرور پوچھا مگر آپ نے اس کے بارے میں کوئی سوال نہیں کیا۔ "ہند نے کہا" کہ "آپ کو ان کا حال نہیں معلوم؟" ان کا خیال ہے کہ وہ اللہ کے رسول ہیں۔ ابوسفیان اس کے بعد طوافِ کعبہ کے لئے گئے تو آپ سے ملاقات ہوئی اور آپ سے کہا کہ آپ کا سامان اتنا اتنا ہو گیا ہے اور اس میں نفع ہوا ہے (وکان فیھا خیر)۔ آپ کسی کو بھیج کر اسے منگوا لیں اور آپ سے وہ بھی نہ لیں گے جو اپنی قوم سے لیتے ہیں۔ یہ سن کر آپ نے انکار کر دیا اور فرمایا کہ

فضل العالم علی العابد کفضل القمر علی سائر الکواکب (سنن ابوداود وترمذی)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تب تو نہ لوں گا۔ ابوسفیان نے یہ سن کر کہا کہ اچھا آپ کسی کو بھیج دیں اور میں اتنا ہی لے لوں گا جو اپنی قوم سے لیتا ہوں۔ چنانچہ آپ نے اپنا سامانِ تجارت منگوا لیا اور ابوسفیان نے دوسروں کی مانند آپ سے بھی اپنا معاوضہ لے لیا۔ ابن کثیر نے اس کے بعد دوسرے واقعات بیان کئے ہیں جن کا امیہ بن ابی الصلت سے تعلق ہے اور آخر میں طبرانی کی تجارت نبوی سے متعلق یہی روایت دوسری سند سے بیان کی ہے اور کہا ہے کہ حافظ بیہقی نے بھی اس کو کتاب الدلائل میں اسماعیل بن طریح کی سند سے بیان کیا ہے مگر ہم نے طبرانی کی روایت و سیاق کو اس لئے ترجیح دی ہے کہ وہ سب سے زیادہ مکمل ہے۔ یہ روایت واضح طور سے بعثت سے ذرا قبل و بعد آپ کی تجارت میں فعال دلچسپی کا بیان پیش کرتی ہے جو مضاربت کے اصولوں پر مبنی تھی۔ گویا آپ نے وہ مقام حاصل کر لیا تھا جب آپ اپنا مال دوسروں کو مضاربت پر دیتے تھے۔

ترتیب زمانی کے اعتبار سے ایک اور روایت بلاذری نے انساب الاشراف میں بیان کی ہے جو مختصر ہونے کے ساتھ ساتھ بہت اہم بھی ہے۔ اس کا اتفاق سے تعلق ابوسفیان بن حرب اموی ہی سے ہے۔ اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خفیہ طور سے اسلام کی دعوت دے رہے تھے تو ابوسفیان شام سے ایک تجارتی سفر سے واپس آئے اور ان کے ساتھ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجارت کا سامان بھی تھا اور آپ نے ان سے اس کی بابت فرمایا تھا کہ ''انشاء اللہ آپ اس میں امانت ادا کریں گے۔'' طبرانی، بیہقی اور بلاذری کی ان دو روایات سے یہ تو کم از کم ثابت و معلوم ہو جاتا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجارت کا سلسلہ بعثت کے بعد بھی جاری رہا تھا لہٰذا حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کے بعد اس کا جاری رہنا تو اور بھی مسلم اور ثابت ہے۔ اگر تلاش و جستجو جاری رکھی جائے اور تحقیق و تفتیش بند نہ کی جائے تو گمان غالب بلکہ یقین ہے کہ اور بھی ایسی روایات شواہد مل جائیں گے جو آپ کی تجارت بعد از نبوت کو قطعی طور سے ثابت کر دیں گے۔ کارِ نبوت کی گرانباری اور ہمہ وقت مصروفیت کی بناء پر ظاہر ہے کہ آپ کو خود براہِ راست تجارتی اسفار کرنے کی مہلت نہ ملتی تھی اور اس کی ضرورت بھی نہ تھی کہ دوسرے تجار مکہ کی مانند آپ مضاربت کی بنا پر اپنی تجارت کو جاری رکھ سکتے تھے۔ یہ صحیح ہے کہ اسلام کی مخالفت اور آپ کی عداوت کے بدترین زمانہ میں آپ کی تجارت سے بہت سے تاجرانِ مکہ نے پہلو تہی بھی کی ہو گی مگر کچھ ایسے بھی ہوں گے جنہوں نے دوستی، تعلقات اور مالی منافع وغیرہ جیسے متعدد اسباب کے

ایک عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسے کہ چاند کی فضیلت دوسرے تمام ستاروں پر (سنن ابوداود و ترمذی)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سبب آپ کیلئے مضاربت پر تجارت کرنی مفید بھی سمجھی ہوگی۔ پھر آپ کے بہت سے جاں نثار صحابہ کرام میں سے متعدد حضرات تاجر تھے۔ اور انہوں نے اس خدمت نبوی کو اپنے لئے سعادت دارین سمجھا ہوگا۔ یہ بہرکیف قیاسات ہیں اور ان کو ان کی حدود ہی میں محدود رکھنا چاہیئے۔ روایات و تاریخی شواہد سے یہ بہرحال ثابت ہوتا ہے کہ آپ نے اپنی تجارت کا سلسلہ شادی کے بعد بھی جاری رکھا تھا۔ اس روایت سے اس خیال ونظریہ اور تاثر کی تردید ہوتی ہے جو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ حضرت خدیجہ سے شادی کے بعد آپ نے ان کی دولت وتجارت پر تکیہ کر کے وسائل حیات فراہم کرتے تھے۔

(۸) تجارت و دولت حضرت خدیجہ:

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معیشت مکی کے باب میں حضرت خدیجہ کی تجارت و دولت کو کافی اہمیت حاصل ہے اور اس سے انکار کرنا ناانصافی بھی ہوگا اور تاریخی معروضیت اور اسلامی اصول پسندی کا خون کرنا بھی۔ مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ ہم اس وسیلۂ حیات اور وجہ معاش کا اس کے صحیح تاریخی تناظر اور واقعاتِ سیرت کے واقعی پس منظر میں اور ان سب سے بڑھ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظیم المرتبت شخصیت کے اعتبار سے جائزہ لیں۔

ہمارے مؤرخین وسیرت نگاروں سے زیادہ ہمارے قدیم و جدید مفسرین نے یہ خیال و نظریہ عام کرنے میں حصہ لیا ہے کہ حضرت خدیجہ کی دولت آپ کی مالداری اور خوشحالی کی ذمہ دار تھی اور اللہ تعالیٰ نے یہ دنیاوی وسیلہ اسی لئے فراہم کیا تھا کہ آپ دنیاوی مشاغل سے بالاتر و آزاد ہوکر اللہ کے دین کو پھیلانے اور لوگوں کو صحیح راستہ دکھانے کے لئے ہمہ وقت اور ہمہ جہت مصروف ہو جائیں۔ اس خیال ونظریہ کی حمایت ہمارے برصغیر پاک و ہند کے علماء ومفسرین نے کچھ زیادہ ہی زور و شور سے کی ہے۔ چنانچہ بطور مثال چند اسمائے گرامی پیش کئے جارہے ہیں۔ اردو مفسرین میں شاہ عبدالقادر، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا ابو الاعلیٰ مودودی، مولانا امین احسن اصلاحی شامل ہیں، جنہوں نے سورۃ والضحیٰ کی تفسیر میں کسی نہ کسی طرح اس خیال کو پیش کیا ہے۔ انگریزی مفسرین میں عبداللہ یوسف علی وغیرہ اس کے علمبردار ہیں۔ مزید تفحص وجستجو سے اور اسمائے گرامی بھی گنائے جا سکتے ہیں۔ یہاں ایک اشکال سورۃ والضحیٰ کی آیت کریمہ نمبر ۸ ''وَوَجَدَكَ عَائِلًا فَأَغْنَىٰ'' سے پیدا ہوتا ہے یا پیدا کیا جا سکتا ہے۔ یہ بحث بھی کافی طویل ہے البتہ چند مثالیں دی جارہی ہیں تاکہ عارضی طور سے اس کا حل نکل آئے اور خلش باقی نہ رہے۔ ابن کثیر نے مفہوم بیان کیا ہے کہ ''آپ

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ: امام مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم رخصت ہو جاتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فقیر اور عیال والے تھے تو اللہ نے آپ کو اپنے سوا سب سے غنی کر دیا اور آپ کے لئے ''فقیر صابر'' اور ''غنی شاکر'' کے دونوں مقامات جمع و مقدر کر دیئے'' اس کے بعد انہوں نے قلبی غنا اور رزق کفاف پر قناعت سے متعلق دو حدیثیں بیان کی ہیں کہ آیت کریمہ میں مذکور غنا سے وہی مراد ہے۔ شاہ ولی اللہ دہلوی نے ''عائل'' کا ترجمہ ''تنگدست'' اور ''اغنیٰ'' کا تونگری کیا ہے۔ شاہ عبدالقادر نے پوری آیت مطہرہ کا ترجمہ کیا ہے۔ ''اور پایا تجھ کو مفلس، پھر محظوظ کیا۔'' شیخ الہند مولانا محمود حسن نے شاہ صاحب مصوف کے ترجمہ کا مفلس باقی رکھا اور محظوظ کی جگہ ''غنی کر دیا۔'' مولانا مودودی نے بالترتیب ''نادار'' اور ''مالدار'' ترجمہ کیا ہے جبکہ مولانا اصلاحی نے بالترتیب 'محتاج'' اور ''غنی'' کے مترادفات استعمال کئے ہیں۔ اور انگریزی میں عبداللہ یوسف علی نے ''IN Need'' اور ''Independent'' سے ترجمانی کی ہے۔ ان چند مثالوں میں ''عیال والے فقیر'' ''تنگدست'' ''مفلس'' ''نادار'' 'محتاج'' اور انگریزی میں ''ضرورتمند'' کے مختلف ترجمے ملتے ہیں۔ ان کے علاوہ بھی کئی تعبیرات مل سکتی ہیں۔ ان میں سے کسی کو ترجیح و تجریح کے خیال سے نہیں بلکہ عربی زبان کے اعتبار سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ''عائل'' اس ضرورت مند و محتاج کے لئے استعمال ہوتا ہے جو عائلی ذمہ داریوں کے سبب تنگدست ہوا ہو۔ خالص فقر کے لئے قرآن مجید نے فقر ہی کا لفظ استعمال کیا ہے اور اس کے متضاد غنی کا لفظ۔ لہٰذا یہ تنگدستی تھی فقر نہ تھا۔ بہرکیف یہ بحث طویل ہے۔ لہٰذا اسے نظرانداز کر کے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس آیت کریمہ سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فقر و مفلسی پر استدلال نہیں کیا جا سکتا، آپ کے احتیاج و ضرورت اور تنگدستی پر کیا جا سکتا ہے۔

(۹) معاش نبوی سے متعلق چند تاریخی روایات:

ہمارے متعین کردہ مفہوم کی تائید بعض تاریخی روایات و سیرتی واقعات سے ہوتی ہے۔

اوپر کی بحث سے یہ معلوم ہو چکا ہے کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو والدین کی وراثت میں اچھا خاصہ سامان اور غیر منقولہ مکان ملا تھا، جو خوشحالی کے لئے کافی نہ تھا تاہم بقدر کفاف تھا اور ضروریات کے لئے کافی تھا۔ پھر والدہ کی پرورش، جدامجد و اعمام نبوی کی کفالت کے بعد آپ کی محنت کی کمائی اور تجارت تھی۔ اور اسی تجارت نے آپ کو بقدر کفاف سے اوپر اٹھا کر ''غنا'' کے درجہ تک پہنچایا تھا۔ اور بعد میں حضرت خدیجہ کی دولت و تجارت نے آپ کی اپنی تجارت سے مل کر آپ کو مادی فراغت نصیب کر دی۔ ان حقائق کے علاوہ سیرت نبوی کے مختلف مراحل ارتقاء سے کچھ اور معلومات حاصل

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتی ہیں۔ جو آپ کے ''مال'' ''سامان'' یا جو کچھ اسے نام دیا جائے کی طرف اشارہ کرتی ہیں۔ صرف چند مثالیں حاضر ہیں۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بعثت سے قبل ہر سال حج میں شریک ہوتے تھے اور عرب حمس کے طریقہ کے برخلاف عرفات میں عام حجاج کے ساتھ قیام فرماتے تھے ایسے ہی کسی موقعہ پر جبیر بن مطعم بن عدی نے آپ کو اپنے ایک اونٹ (بعیر) پر موقوف عرفات کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ (۶۴) ابن اسحاق وغیرہ کے مطابق آپ ہر سال رمضان المبارک میں غارِ حرا میں مجاورہ و مراقبہ کیا کرتے تھے اور یہ سلسلہ بہت ابتداء سے جاری تھا۔ اور مجاورہ کے خاتمہ پر طوافِ کعبہ کرتے اور اس کے بعد بلاناغہ مساکین کو کھانا کھلایا کرتے تھے۔ (۶۵) آپ کے جود و سخاء مہمان داری اور فیاضی، کمزوروں کے ساتھ حسنِ سلوک، ناداروں کی امداد اور اجنبیوں اور بیگانوں کی مادی راحت رسانی کوئی بعد کی بات نہیں تھی اور نہ کسی اور کی دولت و مال کی محتاج تھی۔ یہ آپ کی فطرت و طبیعت میں شروع سے تھی اور اس کا اظہار برابر ہر مرحلۂ حیات پر ہوتا رہا۔ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے اولین وحی قرآن کے نزول کے بعد آپ کی انہیں صفات کو یاد دلا کر آپ کی دلجوئی اور اپنی تصدیق و ایمان کی شہادت دی تھی۔ (۶۶) حضرت خدیجہ سے شادی کے بعد ہی کسی وقت حضرت علی کا بارِ کفالت آپ نے اٹھالیا تھا کہ آپ کے محسن چچا ابوطالب کی مالی حالت دگرگوں ہوگئی تھی اور جب ان سے شادی کی تھی تو کھانے پینے کے انتظام کے علاوہ اپنے سسرالی رشتہ داروں کو حلہ/ لباس پہنائے اور حضرت خدیجہ کو بیس ''بکرہ'' (اونٹنیاں) مہر میں دیں۔ (۶۷) بعد میں ہجرت مدینہ کے قریب حضرت سودہ اور حضرت عائشہ سے نکاح کیا تو ان کو فی کس چار سو پانچ سو درہم مہر دیا تھا اور ظاہر ہے کہ ولیمہ بھی کیا تھا اور ان کے کفاف کا انتظام بھی۔ (۶۸) ان کے علاوہ آپ کے کپڑوں، کھانے، پینے، اسلحہ وغیرہ کے کبھی کبھی اکا دکا حوالے مل جاتے ہیں۔ مثلاً ابن کثیر کی روایت ہے کہ عہد جاہلیت میں آپ کے ساتھ حضرت زید بن حارثہ دسترخوان پر بیٹھے کھانا کھا رہے تھے اور آپ نے مشہور حنیف زید بن عمر کو بھی مدعو کیا تھا۔ (۶۹) اسی طرح آپ نے اپنی بنات مطہرات کی شادیاں کی تھیں تو تین مخدرات کے لئے سامان جہیز وغیرہ کا انتظام کیا تھا۔ کھانا بھی کیا تھا آپ کے لباس/ کپڑوں کا بھی مکی عہد میں مختصر حوالہ آتا ہے اور ظاہر ہے کہ آپ اس کی ضرورت بھی اپنے مال سے پوری کرتے رہے تھے۔ مثلاً قریش کے اشراف نے ایک مجلس میں آپ سے بدتمیزی کی تو ایک دشمن اسلام نے آپ کی چادر (رداء) کھینچ لی تھی۔ بوقت ہجرت آپ نے حضرت

☆ اترکوا قولی بخبر الرسول ﷺ ☆ حدیث شریف کے مقابل میرے قول کو چھوڑ دو (ابو حنیفہ) ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علی کو اپنے بستر پر اپنی چادر (برد حضرمی) اوڑھ کر سو جانے کے لئے کہا تھا جو آپ کی مخصوص تھی اور وہ حضر موت کی بنی ہوئی سبز رنگ کی تھی۔ ظاہر ہے کہ گھر داری کے اسباب بھی تھے اور ان میں سے آپ کی ایک ہانڈی (برمۃ) کا ذکر بدقماش پڑوسیوں کے ستانے کے ضمن میں آتا ہے۔ لباس میں آپ کے ازار کا دو جگہ کم از کم ذکر آیا ہے۔ اور روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ہمیشہ دو لباس زیب تن فرمائے ایک ازار اور ایک رداء/ حلہ وغیرہ اوپر کا لباس۔

آپ کے مکی غلاموں میں حضرت زید بن حارثہ اور ان کی اہلیہ محترمہ حضرت ام ایمن مشہور ہیں۔ حضرت زید کو آپ نے حضرت خدیجہ سے مانگ لیا تھا اور آزاد کر کے حضرت ام ایمن سے بیاہ دیا تھا جن سے حضرت اسامہ پیدا ہوئے اور اس پورے خاندان کی کفالت آپ ہی کرتے، دوسرے غلاموں میں حضرات ابو کبشہ، انسہ، صالح شقران اور سفینہ تھے۔ ان سب کو آپ نے غالباً خریدا اور آزاد کر دیا تھا مگر وہ آپ ہی کے زیر کفالت رہے تھے۔ غالباً ان کے علاوہ بھی کچھ مکی غلام تھے۔ (۷۶) اسی طرح ہجرت کے وقت آپ کو اپنے تمام جانور اور اثاثہ چھوڑنا پڑا تھا تو حضرت ابوبکر کی فراہم کردہ اونٹنی قصواء خرید لی تھی جس کی قیمت چار سو درہم تھی۔ (۷۷) ابن اسحاق نے اسلام کے لئے آپ کی دو دعوتوں کے انتظام کرنے کا ذکر کیا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب قرآن مجید کی سورۂ شعراء آیت نمبر ۲۱۴: وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَکَ الْاَقْرَبِيْنَ ط (اور اپنے قریب ترین رشتہ داروں کو باخبر کرو) نازل ہوئی تو آپ نے حضرت علی کے ذریعہ ایک صاع کا کھانا تیار کرایا، اور اس پر سالم بکری کا پکا ہوا گوشت رکھوا دیا اور دودھ سے بھرا ہوا ایک لگن رکھوایا اور بنو عبدالمطلب کو دعوت اکل و شرب دی جس کے لئے چالیس مرد جمع ہوئے اور انہوں نے کھانا پیٹ بھر کھایا لیکن ابولہب کے بہکاوے میں آ کر مجلس خراب ہوگئی اور آپ دعوت پیش نہ کر سکے۔ آپ نے پہلے دن کی مانند دوسرے دن دعوت اکل و شرب کا انتظام کیا اور اس بار مختصراً اپنی دعوت پیش کی۔ ان دونوں دعوتوں پر آپ کے مال کے خرچ ہونے کا معاملہ ظاہر ہے ابن اسحاق ہی کی ایک اور روایت بھی اس ضمن میں بیان کر دی جائے جو انہوں نے نزول وحی کے بعد آپ کے معمول کے عنوان کے تحت درج کی ہے اور جس میں آپ نے فرمایا تھا: ''اے اولاد عبد مناف! اے اولادِ عبدالمطلب! اے فاطمہ محمد کی بیٹی! اے صفیہ رسول اللہ کی پھوپھی! تم لوگ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے بچاؤ کیونکہ میں اللہ کی گرفت سے تم کو بچانے کا کوئی اختیار نہیں رکھتا۔ البتہ میرے مال میں سے تم جو چاہو مجھ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے مانگ سکتے ہو......'' روایت میں آپ کی حدیث اور آگے چلتی ہے مگر ہمارے موضوع سے متعلق مذکورہ بالا ٹکڑے کا آخری فقرہ ہے جو مکی دور میں آپ کے مال کا صاف ذکر کرتا ہے۔(۷۸) اگر تمام روایات ذکر کی جائیں اور سب کا تفحص کیا جائے تو مکی دورِ حیات نبوی میں آپ کے وسائل معاش کے اور بھی ثبوت مل سکتے ہیں لیکن اس بحث کو جو پہلے ہی کافی طویل ہو چکی ہے اسی پر ختم کیا جاتا ہے۔ باقی پھر کبھی۔

(۱۰) مسلم ہدایا و خدمات:

مدنی دورِ حیات طیبہ کی مانند مکی زمانہ، سیرت میں بھی رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معاش کے تعلق سے اس ضمن میں کچھ روایات ملتی ہیں۔ وہ خواہ کتنی حقیر اور عارضی نوعیت کی رہی ہوں بہر حال اآپ کی مسرت و شادمانی، سہولت و آسانی اور اس سے بڑھ کر صحابہ کرام کی سعادت و خوش بختی کی ذمہ دار رہی تھیں۔ مکمل تجزیہ تو کافی وقت و جگہ کا متقاضی ہے صرف چند مثالوں پر اکتفا کی جاتی ہے تا کہ معاش نبوی مکی کا یہ باب سرے سے خالی نہ رہ جائے۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سب سے قریبی صحابی، جانی دوست اور جان نثار رفیق حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ رہے تھے۔ وہ صدیق اکبر محض اس لئے قرار نہیں دیئے گئے تھے کہ انہوں نے آپ کی بلا جھجھک تصدیق و تائید کی تھی بلکہ انہوں نے اپنی جان و مال اور خدمت سے اپنے ایمان و محبت کی ہر ہر قدم پر تصدیق کی تھی۔ خود رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ مجھے ابوبکر کے مال و خدمت سے جتنا فائدہ پہنچا اتنا کسی سے نہیں پہنچا۔ حضرت عائشہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ بلا ناغہ حضرت ابوبکر کے ہاں صبح و شام جایا کرتے تھے اور ظاہر ہے کہ یہ جاں نثارانِ رسول آپ کی ہر طرح خدمت بجالاتے تھے۔ ہجرت مدینہ کے سفر کے لئے سارے انتظامات یعنی زادِ سفر، سواری، خادم اور راہبر کی خدمات اسی خاندان صدیقی کے محبت کرنے والے افراد نے کی تھی۔ اور اس سفر ہجرت کے دوران مکی مسلمانوں میں حضرات طلحہ و زبیر نے آپ کو کپڑے بطور ہدیہ پیش کئے تھے۔ مکہ کے طویل قیام کے دوران صحابہ کرام نے بالخصوص اور بعض ہمدردانِ خاندان نے بالعموم آپ کی براہِ راست یا بالواسطہ مدد کی تھی۔ دعوت اسلام کے خفیہ تبلیغ کے دور میں حضرت ارقم بن ابی ارقم مخزومی نے اپنا مقام آپ کے صدر مقام تحریک کے لئے پیش کیا تھا اور ظاہر ہے کہ اس قیام کے دوران آپ کی دوسری خدمات اہل بیت کے علاوہ آپ کے یہی جاں نثار انجام دیتے تھے۔ بنو ہاشم اور مسلمانوں کے مقاطعہ کے

امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ہے ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دوران حضرت حکیم بن حزام جیسے بعض ہمدردوں کی امداد و رسد رسانی کا ذکر ملتا ہے۔ طائف سے واپسی پر دشمنانِ قریش میں سے عتبہ بن ربیعہ اور اس کے بھائی شیبہ نے آپ کی انگوروں سے ضیافت کی تھی۔ یہ چند مثالیں بطور نمونہ پیش کر دی گئیں ورنہ تلاش و جستجو سے ایسی اور بھی کافی مثالیں اور روایات پیش کی جا سکتی ہیں۔ ان سے معاش نبوی کے اس پہلو پر روشنی پڑتی ہے جو سماج و معاشرہ کے اجتماعی سلوک سے تعلق رکھتا ہے۔ پھر مکی معاشرہ میں جہاں صحابۂ کرام زندگی کے سخت ترین اور تحریک کے مشکل ترین دور سے گزر رہے تھے یگانگت و الفت، جاں نثاری و قربانی اور ایک دوسرے کے کام آنے کے جذبات بہت گہرے اور فراواں تھے اور انہوں نے مل کر اپنی اور رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی مشکلات کو دور کرنے کی ہر ممکن کوشش کی تھی۔

مکی عہد کی معیشت نبوی کے اس نامکمل اور مختصر تجزیہ سے جو تصویر ابھرتی ہے وہ یہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مکی زندگی ابتداء ہی سے افلاس و غربت کی شکار نہ تھی کیونکہ آپ کا تعلق بہرحال ''اشرافِ مکہ'' کے چیدہ ترین اور معاشی لحاظ سے خاصے متمول گھرانے سے تھا۔ اگرچہ آپ کو یتیمی کا داغ اور اس کی پیدا کردہ محرومی کا سامنا اپنی پیدائش کے روز سے ہی کرنا تھا۔ تاہم آپ کے والد مرحوم کے چھوڑے ہوئے اثاثے اور ترکہ نے آپ کی زندگی کے سفر کی ابتداء کو خوشگوار بنانے میں کافی حصہ لیا تھا۔ پھر آپ کو حد سے زیادہ پیار کرنے والے دادا اور والدہ ماجدہ کی محبت اور دولت کا بھی سہارا تھا۔ جد امجد عبدالمطلب نے اپنے یتیم پوتے کو کسی قسم کی معاشی تنگی یا محرومی کا احساس نہیں ہونے دیا اور اسی طرح آپ کی پرورش و پرداخت کا انتظام کیا جس طرح آپ کے والد عبداللہ کے زمانہ میں ہوتا۔ دادا کے علاوہ آپ کو اپنی والدہ ماجدہ کی محبت و نگہداشت کی دولت حاصل تھی اور اپنے ددھیالی اور ننھیالی خاندانوں کے دوسرے بزرگوں اور عزیزوں کی بھی۔ والدہ کی وفات کے بعد جس طرح دادا نے دیکھ بھال کی وہ مثالی تھی اور دادا کی موت کے بعد آپ کی کفالت کی پوری ذمہ داری آپ کے دو چچاؤں زبیر بن عبدالمطلب اور ابو طالب نے بالخصوص سنبھال لی اور اپنے مرتے دم تک خوب نبھائی۔ لڑکپن ہی سے آپ نے اپنے پیروں پر کھڑے ہونے کی کوشش کی اور گلہ بانی کا نبوی پیشہ اختیار کیا جو مالی یافت کا معمولی سہارا تھا۔ مگر اس نے آپ کو تجربات سے نوازا اور جب سن شعور کو پہنچے تو تجارت کا خاندانی اور قومی پیشہ اختیار کرنے میں لڑکپن کے بعض تجارتی اسفار کے ساتھ دلیل راہ ثابت ہوا۔ مضاربت کے اصول پر آپ نے اپنی تجارت کا آغاز کیا اور مقامی تجارت سے

فقیه واحد اشد علی الشیطان من الف عابد ☆ ایک فقیہ شیطان پر ہزار عابدوں سے، زیادہ بھاری ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رفتہ رفتہ ترقی کر کے قومی تجارت کے دھارے میں شریک ہو گئے اور مکہ مکرمہ میں اپنی محنت، مہارت، امانت و صلابت کے سبب ایک ممتاز جگہ بنا لی اور ایک ابھرتے ہوئے خوشحال تاجر بن گئے۔ پچیس سال کی عمر شریف میں حضرت خدیجہ جیسی مالدار ترین اور خوش خصال عورت سے شادی کی تو ایک کامیاب تاجر تھے اور پھر اپنی تجارت کو اپنی نیک نہاد اور جاں نثار اہلیہ کی تجارت کے ساتھ مدغم کر کے ''غنی'' کے اس درجہ تک پہنچ گئے جس کا حوالہ قرآنِ مجید میں آیا ہے۔ یہ مشترکہ تجارت آخر مکی عہد تک جاری رہی بس اس فرق کے ساتھ کہ بعثت کے بعد آپ نے دوسروں کو مضاربت پر مال دے کر تجارت کا سلسلہ جاری رکھا۔ آپ کی تجارت اور غنیٰ حضرت خدیجہ کی دولت و تجارت کی محتاج اور اس پر مبنی نہ تھی بلکہ خود مختار و آزاد تھی البتہ آپ کی دولت و تجارت کو اس سے بہت فیض پہنچا تھا جس طرح متعدد صحابۂ کرام کی جاں نثاری اور ہمدردانِ قریش کی مدد سے زیست کا سامان کسی حد تک فراہم ہوا تھا۔ آپ کی مکی معیشت انہیں مختلف عناصر سے مرکب تھی۔

تعلیقات وحواشی

۱۔ بطور مثال و نمائندہ مؤلف ملاحظہ ہو: ڈی ایس مارگولیتھ، محمد اینڈ دی رائز آف اسلام، لندن ۱۹۰۵ء، ص ۴۷ پر لکھتے ہیں کہ ''محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک بے وقار خاندان سے تھے۔'' مولانا شبلی، (سیرت النبی، اعظم گڑھ، ۱۹۸۳ء، اول ص ۱۷۶) نے اس کی بھرپور تردید کی ہے نیز ملاحظہ ہو عبدالحمید صدیقی کی تردید، لائف آ محمد، ہلال پبلی کیشنز کلکتہ ۱۹۸۲ء، ص ۴۰ اور ص ۵۔۵۴۔

۲۔ یہ نقطۂ نظر وضاحت سے یا مضمر طور سے تقریباً تمام مسلمان مؤرخین کی کتابوں میں پایا جاتا ہے مثلاً مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی ۱۹۸۳ء، ششم، ص ۴۔۳۷۳ پر فرماتے ہیں کہ...... ''آپ کی زندگی کی ابتداء افلاس کی حالت میں ہوئی۔'' علامہ عبداللہ یوسف علی، دی ہولی قرآن، امانہ کارپوریشن، برنٹ وڈ، میری لینڈ ۱۹۸۹ء، ص ۱۶۶۳، حاشیہ نمبر ۶۱۸۴ نے لکھا ہے: ''The Holy Prophet was Poor'' نور محمد غفاری، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی معاشی زندگی، مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور ۱۹۸۸ء، ص ۶۵ پر لکھتے ہیں: ''وہ بچہ جس نے آگے چل کر خاتم النبین بننا تھا...... عالم امکان میں تشریف لایا تو والدین اعتبار سے مفلس تھے۔ والد عبداللہ بن عبدالمطلب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے قبل ہی وفات پا گئے تھے، یوں غربت کے ساتھ یتامت کا بندھن...... بندھ گیا۔'' نعیم صدیقی، محسن انسانیت، مرکزی مکتبہ اسلامی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دہلی غیر مورخہ والدین اور دادا کے انتقال کا ذکر کر کے لکھتے ہیں۔ "یہ گویا مادی سہاروں سے بے نیاز ہو کر ایک آقائے حقیقی کے سہارے گراں بہا فرائض سے عہدہ برآ ہونے کی تیاری ہو رہی تھی۔" یہ چند مثالیں ہیں ورنہ یہ لفظ نظر پوشیدہ یا اعلانیہ تقریباً بیشتر مسلم سیرت نگاروں کے ہاں پایا جاتا ہے۔ نیز مولانا مودودی، سیرت سرور عالم لاہور ۱۹۸۰ء، دوم، ص ۹۵ نے "غربت سے زندگی کی ابتداء کے تحت آپ کی غریبانہ زندگی کا ذکر کیا ہے۔

۳۔ ابن اسحاق، سیرت ابن اسحاق، اردو ترجمہ نورالٰہی ایڈووکیٹ (عربی متن، مرتبہ ڈاکٹر محمد حمیداللہ) نقوش، رسول نمبر یازدہم لاہور ۱۹۸۵ء، ص ۷۔۳۳، نیز ملاحظہ ہو: ابوالحسن علی حسنی ندوی، السیرۃ النبویہ، دارالشروق ۱۹۸۹ء، ص ۹۹ نے صرف ابن ہشام کی سند پر ابن اسحاق کی روایت بیان کر دی۔

۴۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، مرتبہ مصطفیٰ السقا، ابراہیم الابیاری، عبدالحفیظ شبلی، مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی، قاہرہ ۱۹۵۵ء، قسم اول ص ۱۵۸، نیز ملاحظہ ہو: بلاذری، انساب الاشراف، مرتبہ ڈاکٹر محمد حمیداللہ دارالمعارف قاہرہ ۱۹۵۹ء، اول ص ۹۲۔ ۷۹ وغیرہ، جنہوں نے اس موضوع پر ہی نہیں بلکہ اور کئی متعلق معاملات پر خاموشی اختیار کی، ابن کثیر، السیرۃ النبویہ، مرتبہ مصطفیٰ عبدالواحد، دارالمعرفۃ بیروت ۱۹۷۱ء، اول، ص ۲۲۳ نے صرف حضرت ام ایمن کے باپ سے وراثت میں پانے کا ذکر کیا ہے۔

۵۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، دار صادر بیروت ۱۹۵۷ء، اول ص ۱۰۰، نیز ملاحظہ ہو: نور محمد غفاری، مذکورہ بالا، ص ۶۔ ۶۵ نے قطعۃ غنم کا ترجمہ "چند بھیڑیں" کیا ہے۔

۶۔ شبلی نعمانی، سیرت النبی، دارالمصنفین، اعظم گڑھ ۱۹۸۳ء، اول ص ۱۶۸۔ اس کا حاشیہ نمبر ۲ سید سلیمان ندوی کا اضافہ ہے جبکہ متن میں مولانا شبلی نے اونٹوں کی تعداد کی صراحت چھوڑ دی ہے اور بکریوں کے سلسلہ میں بھی ایک/ دو/ کئی ریوڑوں کا حوالہ نہیں دیا ہے، مولانا مودودی، تفہیم القرآن، ششم، ص ۴۔۳۷۲، حاشیہ نمبر ۸ نے آپ کی وراثت میں پدری میں صرف ایک لونڈی اور ایک اونٹنی کا ذکر نہ جانے کس ماخذ کی بنیاد پر کیا ہے جبکہ سیرت سرور عالم، ادارہ ترجمان القرآن لاہور، ۱۹۸۰ء، دوم، ص ۹۵ پر ابن سعد کا مذکورہ بالا بیان نقل کیا ہے۔

صفی الرحمٰن مبارکپوری، الرحیق المختوم، اردو، المجلس العلمی علی گڑھ، ۱۹۸۸ء، ص ۸۲ نے ابن سعد کی روایت کو تین کتابوں کے حوالے سے "عبداللہ کا کل ترکہ" قرار دیا ہے۔

۷۔ ابن اسحاق (اردو)، ص ۳۳۔

۸۔ بخاری، الجامع الصحیح، باب این رکز النبی صلی اللہ علیہ وسلم الرایۃ یوم الفتح، مسلم، الجامع الصحیح، کتاب الحج، باب النزول بمکۃ للحاج وتوریث دورھا، ابو داؤد، سنن، کتاب المناسک، باب التحصیب اور کتاب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الفرائض، باب هل یرث المسلم الکافر.

نیز ملاحظہ ہو شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۵۱۶ نے اپنے متن میں یہ واضح طور سے کہا ہے کہ وہ مکان آپ کے والد عبداللہ کا نہیں تھا بلکہ ابو طالب کا تھا۔ ان کے الفاظ ہیں ''ابو طالب...... نے جب انتقال کیا تو ان کے صاحبزادے عقیل اس وقت کافر تھے اس لئے وہی وارث ہوئے۔ انہوں نے یہ مکانات ابوسفیان کے ہاتھ بیچ ڈالے تھے۔ اس بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ''عقیل نے گھر کہاں چھوڑا کہ اس میں اتروں۔'' اس کے حاشیہ نمبر ا میں جامع سید سلیمان ندوی نے صحیح بخاری، فتح مکہ کے باب میں حضرت اسامہ بن زید اور حجۃ الوداع کے حوالہ سے حضرت ابو ہریرہ کی روایت بیان کی ہے اور ان دونوں میں ''مکان'' کا حوالہ ہے مگر اول الذکر کا موقع فتح مکہ ہے اور دوم کا محل حجۃ الوداع۔ اور اس کی تطبیق میں ابن حجر، فتح الباری، جلد نمبر ۸ اور جلد نمبر ۲، ص ۳۶۰ کا قول نقل کیا ہے کہ ممکن ہے ان دونوں موقعوں پر لوگوں نے سوال کیا ہو اور آپ نے ان دونوں پر یہ ارشاد فرمایا ہو۔

مولانا شبلی کی تقریباً تصریح کہ مکان ابو طالب کا تھا قطعی صحیح نہیں معلوم ہوتی کیونکہ ابوطالب کے مکان کے وارث ان کے فرزند ہی ہو سکتے تھے اور حضرت جعفر و علی جو مسلم تھے کی جگہ حضرت عقیل جو اس وقت کافر تھے ان کے صحیح وارث ہوئے اور انہوں نے اپنے والد سے ترکہ میں پایا ہوا مکان ابوسفیان کے ہاتھ بیچ ڈالا تو اس میں کسی کو کیا شکوہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات اس بات سے کہیں بلند تھی کہ دوسرے کے مال کو اپنا مال سمجھتے اور اس کے صحیح وارث کے ہاتھوں بیچ ڈالنے کو اپنی حق تلفی سمجھتے آپ نے دراصل ابو طالب کے مکان کے بارے میں نہیں فرمایا تھا بلکہ اپنے قدیم مکان کے بارے میں ارشاد کیا تھا جس میں آپ اپنی ولادت سے ہجرت تک قیام پذیر رہے تھے اور جو آپ کو آپ کے والد ماجد/ والدین سے ملا تھا۔

مولانا شبلیؒ کا یہ تبصرہ کہ ''شریعت میں مسلمان کافر کا وارث نہیں ہوسکتا'' اس موقع پر بے محل ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والد مرحوم کی میراث اپنی ولادت کے بعد بلکہ اپنی والدہ کی وفات کے بعد پائی تھی اور وہ ''شریعت اسلامی'' کی تشکیل سے قبل ملی تھی۔ قریشی/ مکی روایات و قوانین کے مطابق آپ نے آخر کار اپنے والد کے چھوڑے ہوئے اونٹ، بکریاں اور باندی ترکہ میں پائے تھے۔ شریعت وہاں مانع نہیں ہوئی تھی۔

جامع حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ نے بھی اس مسئلہ پر اظہار خیال نہیں فرمایا ہے صرف بخاری کی روایات کی نشاندہی، صراحت اور تطبیق سے کام رکھا ہے۔ یہاں یہ واضح کرنا ضروری معلوم

☆☆☆ میں نے امام شافعی سے زیادہ کسی کو عقلمند نہیں پایا (ابو عبید) ☆☆☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتا ہے کہ محدثین عظام نے یہ حدیث ایک فقہی مسئلہ کے حل کے لئے نقل کی ہے اور اس میں ابو طالب کے مکان اور حضرت عقیل کے بیچنے اور حضرات جعفر و علی کے پدری وراثت سے محروم رہنے کا واقعہ صحیح ہے مگر اس میں آپ کے مکانات/ مکان کے حضرت عقیل کے ہاتھوں بیچنے کا مفہوم مضمر ہے جس کی تائید دوسری روایات کے علاوہ قرائن حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

۹۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، دوم، ص ۱۲۶، بلاذری، انساب الاشراف، اول ص ۳۵۶، نے صراحت کی ہے کہ حضرت عقیل نے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مکان (منزل رسول اللہ) ہی نہیں بلکہ اپنے بھائیوں بہنوں کے مکانات بیچ ڈالے تھے۔

۱۰۔ ابن اسحاق (اردو)، ص ۲۳، ۱۴۰، (حضرت علیؓ کی آپ کے ہاں اکثر آمد کا حوالہ)

ابن ہشام، اول، ص ۳۱۵ (ابوسفیان، اخنس، ابوجہل کے تلاوت نبوی سننے کے ذکر میں)، ص ۸۔ ۳۴۷۔ (کعبہ کے نزدیک نماز میں آپ کی تلاوت قرآن سن کر آپ کے گھر تک حضرت عمر کے تعاقب کرنے کا ذکر) اس مقام پر ابن اسحاق نے آپ کے مکان کا محل وقوع بھی بتایا ہے جو بہت ہی اہم ہے۔ مسجد حرام سے واپسی پر آپ ابن ابی حسین کے گھر (دار) کی طرف سے نکلتے کہ یہی آپ کا راستہ تھا یہاں تک کہ مسعیٰ قطع/ پار کرتے پھر حضرت عباس بن عبدالمطلب اور ابن ازہر بن عبدعوف زہری کے دار کے درمیان چل کر اخنس بن شریق کے دار پر پہنچتے اور اپنے گھر (بیت) میں داخل ہو جاتے۔ آپ کی جائے قیام (مسکن) ''الدار الرقطاء'' نامی مقام میں تھی جو بعد میں حضرت معاویہ بن ابی سفیان کی ملکیت میں آ گیا تھا۔ غالباً انہوں نے اپنے والد ابوسفیان سے ترکہ میں پایا تھا۔ نیز ص ۶۔ ۴۱۵ جہاں آپ کے بدقماش پڑوسیوں ابولہب ہاشمی، حکم اموی عقبہ بن ابی معیط اموی عدی بن حمراء ثقفی اور ابن الاصداء ہذلی کے برے سلوک، گھر اور راستے میں غلاظت و گندگی اور تکلیف دہ چیزیں ڈالنے کا ذکر آتا ہے اور اسی میں آپ کے مکان کا حوالہ آتا ہے۔ مؤخر الذکر صفحہ پر آپ کے گھر (بیت) کا حوالہ پھر موجود ہے جس میں آپ کے سر مبارک پر کسی احمق (سفیہہ) کے خاک ڈالنے، خاک آلود گھر میں داخل ہونے اور بنات مطہرات میں سے کسی کے سر اقدس کو دھونے اور آنسو بہانے کا ذکر ہے۔ تلاش و جستجو سے ایسے مزید حوالے دیئے جا سکتے ہیں مثلاً اول، ص ۳۸۳ مزید ملاحظہ ہو۔

۱۱۔ ابن اسحاق (اردو) ص ۹۔ ۳۳۔ ابن ہشام، اول، ص ۱۵۸۔

۱۲۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، اول، ص ۱۰۰۔ ۹۹، کی عبارت ہے: **خرج عبداللہ بن عبدالمطلب الی الشام الی غزہ فی عیر من عیرات قریش یحملون تجارات. ففرغوا من تجاراتھم**

☆ اترکوا قولی بخبر الرسول ﷺ ☆ حدیث شریف کے مقابل میرے قول کو چھوڑ دو (ابو حنیفہ) ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ثم انصرفوا...... بقیہ عبارت ان کی بیماری، نجاری رشتہ داروں کی دیکھ بھال، موت اور تدفین سے متعلق ہے۔ عبداللہ کے بڑے بھائی حارث کے جانے اور ساری تفصیلات مدینہ سے لانے کا ذکر تو ہے مگر سامانِ تجارت کے بارے میں کوئی حوالہ نہیں ہے۔

ہمارے جدید مؤرخین و سیرت نگاروں سے بیشتر نے سامان تجارت کا میراث پدری میں ذکر نہیں کیا ہے اور نہ ہی مدینہ سے واپس لانے کے ضمن میں ملاحظہ ہو، شبلی نعمانی، اول، ص ۱۶۹، صفی الرحمٰن مبارکپوری، ص ۸۲، مولانا مودودی، سیرت سرور عالم، دوم، ص ۹۰۔

۱۳۔ بلاذری، انساب الاشراف: اول، ص ۹۲۔

۱۴۔ ابن کثیر، السیرۃ النبویہ، اول، ص ۸۰ - ۱۷۶۔

۱۵۔ انساب الاشراف، اول، ص ۵۲۱، نے یہ روایت ابن سعد کے حوالہ وسند سے واقدی سے بیان کی ہے جنہوں نے ابن ابی سبرہ اور انہوں نے عبدالحمید بن سہیل بن عبدالرحمٰن بن عوف سے روایت کی ہے۔ گویا کہ یہ منقطع ہے۔ نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، اول، ص ۴۸۵، ۲۷۹ - ۷۹۔ نیز ملاحظہ ہو ص ۹۶، جہاں مذکورہ بالا پدری وراثت کے علاوہ ورق (چاندی) کے بھی والد سے ترکہ میں پانے کا ذکر ہے۔ بلاذری، اول، ص ۴۷۷، نے والدہ ماجدہ بی بی آمنہ سے آپ کے ایک باندی سلمیٰ نامی وراثت میں پانے کا ذکر کیا ہے۔

۱۶۔ ابن اسحاق، ص ۳۔ ۴۲، ابن ہشام، اول، ص ۶۱ - ۱۶۰، دونوں نے حیرت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو والدہ کے دودھ پلانے کا ذکر نہیں کیا ہے اور براہِ راست حلیمہ سعدیہ کی رضاعت کا واقعہ پوری تفصیل سے بیان کرنا شروع کر دیا ہے۔ ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ، اول، ص ۲۲۳، نے آپ کی والدہ کے ساتھ ثوبیہ کے دودھ پلانے کا ذکر کیا ہے۔ ابن سعد، اول، ص ۳ - ۱۰۰ اور ص ۱۵ - ۱۰۸، نے بالترتیب آپ کی والدت اور آپ کی دودھ پلائیوں کے اپنی دو الگ الگ فصلوں میں آپ کی والدہ کے دودھ پلانے کا ذکر نہیں کیا ہے، یہی حال بلاذری، انساب الاشراف، اول، ص ۸۱، کا ہے۔ ان کے ذکر سے یا عدم ذکر سے یہ حقیقت نہیں بدلتی کہ سب سے پہلے آپ نے اپنی ماں کا دودھ پیا تھا۔ یہ اتنی ظاہر و باہر حقیقت ہے کہ اس کا ذکر نہ بھی ہو تو مراد یہی ہوتا ہے۔ نیز ملاحظہ ہو شبلی نعمانی، اول، ص ۱۷۲، مولانا مودودی، سیرت سرور عالم، دوم، ص ۶ - ۹۵۔

۱۷۔ ابن اسحاق و ابن ہشام دونوں نے ثوبیہ کی رضاعت کا ذکر نہیں کیا ہے۔ اول تذکرہ نگاروں میں ابن سعد، اول، ص ۱۰۸ وغیرہ نے واقدی کی سند پر روایت بیان کی ہے کہ آپ کی اولین دودھ پلائی ثوبیہ تھیں جنہوں نے اپنے فرزند مسروح کے دودھ میں آپ کو شریک کیا تھا اور حلیمہ سعدیہ کے آنے

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ: امام مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم رخصت ہو جاتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے قبل کچھ دن (ایاماً) دودھ پلایا تھا۔ اس سے قبل ثوبیہ نے حضرت حمزہ بن عبدالمطلب کو اور آپ کے بعد حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد مخزومی کو دودھ پلایا تھا۔ ابن سعد نے اولین روایت کی تائید میں زہری کی دو روایتیں نقل کی ہیں اور بعض دوسری روایات سے بھی اس کی توثیق کی ہے۔

نیز ملاحظہ ہو بلاذری، انساب الاشراف، اول، ص ۶۔۹۴، ابن کثیر، السیرۃ النبویہ، الو، ص ۴۔۲۲۳۔

ابن ہشام کے محققین کرام نے طبری، الروض الانف، الاستیعاب اور شرح المواہب اللدنیہ کے حوالہ سے ثوبیہ کے ذریعہ آپ کی رضاعت کا اپنے حاشیہ نمبر ۶، ص ۲۔۱۶۰، میں ذکر کیا ہے اور یہ اضافہ کیا ہے کہ ثوبیہ نے حضرت عبداللہ بن جحش کو بھی دودھ پلایا تھا۔ نیز یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حلیمہ سعدیہ اور ثوبیہ کے علاوہ بھی آپ کی رضاعت کی بعض اور عورتوں نے سعادت حاصل کی تھی۔ اگرچہ انہوں نے اس کی تصریح نہیں کی ہے۔

اس باب میں سب سے زیادہ قوی روایت بخاری کی ہے۔ ملاحظہ الجامع الصحیح، **کتاب النکاح، باب امہات اللاتی ارضعنکم، باب یحرم من الرضاعۃ ما یحرم من النسب.** نیز مولانا مودودی، سیرت، دوم، ص ۶۔۹۵۔

شبلی نعمانی، اول، ص ۲۔۱۷۱، نے ثوبیہ کے دو تین روز دودھ پلانے کا ذکر کیا ہے مگر کوئی حوالہ نہیں دیا ہے شاید قیاس کی بناء پر "ایاماً" کا مفہوم لیا ہے۔

۱۸۔ ابن اسحاق (اردو)، ص ۵۔۴۲، ابن ہشام، اول، ص ۶۵۔۱۶۰، ابن سعد، اول، ص ۱۵۔۱۰۸، انساب الاشراف، اول، ص ۶۔۹۳، ابن کثیر، السیرۃ النبویہ، اول، ص ۳۴۔۲۲۵۔

ابن اسحاق نے حلیمہ سعدیہ کی تقرری و تلاش کے بارے میں صیغۂ مجہول استعمال کیا ہے اور یہی ابن ہشام کے ہاں پایا جاتا ہے۔ لیکن ایک روایت میں واضح طور سے ذکر ہے کہ آپ کے دادا عبدالمطلب نے دودھ پلائیاں (رضعاء) تلاش کی تھیں۔ ابن سعد اور بلاذری کی روایات میں تلاش کرنے والے کا نام نہیں ہے۔ اور ابن کثیر کی روایات کثیرہ میں یہی ہے۔ البتہ اموی کی ایک روایت میں ہے کہ عبدالمطلب نے دودھ پلائی تلاش کروائی تھی۔ مولانا شبلی، اول، ص ۳۔۱۷۲، کا یہ خیال کہ "آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ نے ان کو مقرر کرنا چاہا تو ان کو خیال آیا کہ یتیم بچے کو لے کر کیا کروں گی لیکن خالی بھی نہ جا سکتی تھیں اس لئے حضرت آمنہ کی درخواست قبول کی" قیاس پر زیادہ مبنی ہے۔ اس لئے کہ انہوں نے اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا ہے۔ پھر وہ حضرت آمنہ کی درخواست قبول کرنے کا معاملہ نہ تھا بلکہ حلیمہ سعدیہ کی محرومی اور خالی ہاتھ لوٹنے کا معاملہ تھا۔

نیز ملاحظہ ہو، صفی الرحمٰن مبارکپوری، ص ۵۔۸۴، مولانا مودودی، سیرت سرور عالم، دوم، ص ۷۔۹۶،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نور محمد غفاری، مذکورہ بالا، ص ۷۔۶۶، پر شبلی نعمانی کی روایت کا اثر واضح ہے۔

۱۹۔ ترمذی، ابواب الرضاع، باب ما یذھب مذمۃ الرضاع، نیز ملاحظہ ہو ابن سعد، اول، ص ۱۱۴، ابن کثیر، مذکورہ بالا نے اس قسم کی کئی روایات بیان کی ہیں۔

۲۰۔ مثلاً ابن سعد، اول، ص ۱۰۹، نے ابن ابی ملیکہ کی سند سے بیان کیا ہے کہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دودھ شریک بھائی (رضیع) تھے۔ ان دونوں کو عرب کی ایک عورت نے دودھ پلایا تھا۔ حضرت حمزہ بن سعد بن بکر کی ایک قوم کے پاس دودھ پلانے کے لئے رکھے گئے تھے۔ حضرت حمزہ کی ماں (رضاعی) نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک دن جب آپ اپنی ماں حلیمہ سعدیہ کے پاس تھے دودھ پلایا تھا۔ اس سے قبل محققین ابن ہشام کے قیاس کا ذکر آ چکا ہے۔

نیز ملاحظہ ہو، صفی الرحمٰن مبارک پوری، ص ۵۔۸۴، جنہوں نے بنو سعد کی ایک عورت جو حضرت حمزہ کی ماں (رضاعی) تھیں کے ایک دن آپ کو دودھ پلانے کا ذکر کیا ہے اور زاد المعاد، اول، ص ۱۹، کا حوالہ دیا ہے۔ مولانا مودودی سیرت، دوم، ص ۹۔۹۸۔

۲۱۔ ابن کثیر، السیرۃ النبویہ، اول، ص ۲۳۲، نے اموی کی کتاب المغازی کے حوالہ سے ایک روایت نقل کی ہے جس کا ایک راوی عثمان بن عبدالرحمٰن وقاصی اگرچہ ضعیف ہے اور وہ روایت منقطع بھی ہے کہ حضرت سعید بن میتب پر ختم ہو جاتی ہے تاہم اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اجرت پر حلیمہ سعدیہ کو رضاعت کی ذمہ داری سونپی گئی تھی۔

اجرت حلیمہ سعدیہ سے متعلق بعض روایات ملتی ہیں مگر اختصار کے لحاظ سے ان کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

البتہ بلاذری، اول، ص ۹۵، نے ایک روایت یہ بیان کی ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کے بعد جب حلیمہ سعدیہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کیلئے آئیں تو آپ نے ان کا اعزاز و اکرام کیا اور جب انہوں نے اپنے علاقے کی قحط سالی اور جانوروں کی ہلاکت کا ذکر کیا تو آپ نے حضرت خدیجہ سے اس باب میں بات کی اور انہوں نے حلیمہ سعدیہ کو چالیس بکریاں اور ایک اونٹ عطا کیا۔ یہ تو بعد میں ممنونِ کرم و شکر گزار فرزند کا حسن سلوک تھا، اجرت و معاوضہ نہیں تھا۔

۲۲۔ ابن سعد، اول، ص ۱۰۸، میں دو متضاد روایات ملتی ہیں۔ اول یہ کہ ابولہب نے ثوبیہ کو آزاد کر دیا تھا اور پھر انہوں نے رضاعت کی۔ دوم یہ کہ خدیجہ ان کے ساتھ حسن سلوک کیا کرتی تھیں اور ان کو آزاد کرنا چاہتی تھیں مگر ابولہب نے ان کے ہاتھ بیچنے سے انکار کر دیا۔ البتہ آپ کی ہجرتِ مدینہ کے بعد آزاد کر دیا تھا۔ نیز بلاذری، اول، ص ۴۔۹۳۔

ابن کثیر اول، ص ۲۲۴، نے اپنے راویوں کی سند پر بیان کیا ہے کہ ابولہب نے اپنے بھتیجے محمد بن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش کی خوشخبری دینے پر ثوبیہ کو فوراً آزاد کر دیا تھا۔

۲۳۔ مثلاً نور محمد غفاری، مذکورہ بالا، ص ۶۶، لکھتے ہیں کہ ''حضرت آمنہ چاہتی تھیں کہ اس کا یتیم بھی دیہاتی بدوؤں کے پاس پلے اور فصاحت کے جوہر پیدا کر لے......مگر یہاں اسے دولت مند کی ''خواہ مخواہ'' پذیرائی اور غریب کی بے اعتنائی کے تلخ تجربے سے گزرنا پڑا......مگر آمنہ کے لال کو اس کی یتامت اور غربت کی بناء پر کوئی بھی لینے کے لئے آمادہ نہ ہوئی......'' موصوف نے نہ صرف حلیمہ سعدیہ کے انکار کو غربت پر محمول کیا ہے بلکہ حضرت آمنہ کے غربت کے دکھ درد کا بھی ذکر کیا ہے۔

۲۴۔ ابن اسحاق، ص ۴۳: ''لیکن جب یہ کہا جاتا کہ آپ یتیم ہیں تو کوئی عورت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لینے پر راضی نہ ہوتی، کیونکہ ہم لوگ کہتے تھے کہ بچے کی ماں سے حسن سلوک کی کیا امید ہو سکتی ہے اگر بچے کا باپ ہوتا تو اس سے نیک سلوک کی توقع کی جا سکتی تھی۔'' نیز ابن ہشام، اول، ص ۱۶۳: ''اذا قیل لها انه یتیم، و ذالک انا انما کنا ترجوا لامعروف من ابی الصبی...... وما عسی ان تصنع امه و جده فکنا منکرهر ذالک...... نیز بلاذری، انساب الاشراف، اول، ص ۹۳۔ ابن کثیر، اول، مذکورہ بالا۔ حیرت ہے کہ نور محمد غفاری وغیرہ نے اسی کے معاً بعد یہ روایت بھی نقل کی ہے۔

۲۵۔ ابن اسحاق (اردو)، ص ۶۔۴۲ اور ص ۶۱، ابن ہشام، اول، ص ۱۶۸، ابن سعد، اول، ص ۷۔۱۱۶، بلاذری، اول، ص ۹۴، ابن کثیر، اول، ص ۲۲۵۔

ابن اسحاق، ابن ہشام، ابن سعد اور ابن کثیر نے بی بی آمنہ کی زیارت مدینہ منورہ کا مقصد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ننہالی رشتہ داروں بنوعدی بن النجار/خزرج سے ملاقات بتایا ہے جبکہ بلاذری نے اپنی سند سے انفرادی روایت میں یہ بیان کیا ہے کہ جب آپ کی عمر شریف چھ سال کی ہوگئی تو آپ کی والدۂ ماجدہ اپنے مرحوم شوہر کی قبر کی زیارت کیلئے گئیں جیسا کہ وہ زیارت کیا کرتی تھیں اور ان کے ساتھ عبدالمطلب و ام ایمن بھی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ عبدالمطلب بنونجار کے ننھیالی رشتہ داروں سے ملنے گئے تھے اور اپنے ساتھ آپکو اور بی بی آمنہ کو بھی لے گئے تھے۔ یہ دوسری روایت ہے۔

سند کے اعتبار سے بلاذری کے مقابلہ میں اکثریت کی رائے زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے کیونکہ بلاذری کی روایت مجہول ہے جبکہ ابن اسحاق کی روایت یونس بن بکیر کی سند سے عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم سے مروی ہے۔ یہی ابن ہشام و ابن کثیر کے ہاں ہے۔ مؤخر الذکر نے واقدی کی اسانید سے بھی اسی کی توثیق کی ہے۔ جبکہ ابن سعد نے اپنی روایات واقدی کے ذریعہ زہری سے، محمد بن صالح کے ذریعہ عاصم بن عمر بن قتادہ سے اور عبدالرحمٰن بن عبدالعزیز کے ذریعہ عبداللہ بن ابی بکر

ایک عابد پر عالم کی فضیلت ایسی ہے جیسے کہ چاند کی فضیلت دوسرے تمام ستاروں پر (سنن ابوداود و ترمذی)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے تین سندوں سے بیان کی ہیں۔ مؤخر الذکر سند مرفوع ہے کہ وہ ہاشم بن عاصم اسلمی نے اپنے والد کے واسطہ سے حضرت ابن عباس سے نقل کی ہے۔

معلومات کے اعتبار سے بھی ابن سعد کی روایت/ روایات سب سے زیادہ مفصل ہیں جبکہ بقیہ کی روایات ایک دوسرے کی نقل معلوم ہوتی ہیں سوائے بلاذری کی انفرادی روایات کے۔

شبلی نعمانی، اول، ص ۱۷۵، نے بلاذری کی مجہول روایت کو "بعض مؤرخین کا بیان کہہ کر ذکر کیا ہے اور اس کو نہ صرف ترجیح دی ہے بلکہ یہ تبصرہ کیا ہے کہ "لیکن یہ رشتہ دور کا رشتہ تھا، قیاس میں نہیں آتا کہ صرف اتنے سے تعلق سے اتنا بڑا سفر کیا جائے۔" مولانا موصوف کا یہ قیاس صحیح نہیں کیونکہ زیارت کا مقصد دوستی کی تجدید، رشتہ داروں سے ملاقات خواہ وہ کتنے دور کے ہوں یا محض تبدیلی، آب و ہوا ہوتا ہے۔ پھر یہ رشتہ اتنا دور کا نہ تھا جتنا کہ مولانا نے سمجھا ہے۔ روایات اولیٰ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ آپ کو آپ کے ننھیالی رشتہ داروں سے ملانے لے گئی تھیں اور حیات نبوی کے بعد کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے اس رشتہ داری کا ہمیشہ خیال رکھا تھا اور بنونجار نے بھی اس کا ہمیشہ پاس رکھا۔ جیسا کہ بنونجار کے نقیب اور ہجرت کے بعد قیام مدینہ کے باب سے معلوم ہوتا ہے۔ نہ تو مولانا شبلی نے اور نہ ان کے جامع نے ان دونوں روایات کا کوئی حوالہ دیا ہے۔

۲۶۔ صفی الرحمٰن مبارکپوری، ص ۸۔ ۸۷، نے بی بی آمنہ کے سفرِ مدینہ کو متوفی شوہر کی یاد وفا میں سرپرست عبدالمطلب کے ساتھ کرنے کا ذکر کیا ہے۔ اور حوالہ میں ابن ہشام، تلقیح المفہوم، تاریخ خضری اور غزالی کی فقہ السیرۃ کا حوالہ دیا ہے۔ جبکہ ابن ہشام نے تو کم از کم اس کا حوالہ نہیں دیا ہے۔ باقی بعد کے مصادر ہیں ان سے بحث نہیں۔ مولانا مودودی، سیرت، دوم، ص ۹۹، نے خاندان بنی عدی بن نجار سے ملاقات کرنے کی روایت قبول کی ہے۔ جبکہ ابن سعد نے اپنی اسانید سے بیان کیا ہے کہ آپ کی والدۂ محترمہ آپ کے ساتھ اور ام ایمن کو لے کر آپ کے ماموؤں (اخوالہ) سے ملاقات کے لئے دو اونٹوں پر سفر کر کے گئیں اور آپ کے ساتھ دار النابغہ میں ایک ماہ تک قیام کیا۔ یہاں ابن سعد کی ایک دلچسپ روایت (ص ۹۹) کا حوالہ دینا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے والد محترم عبداللہ نے اسی دار النابغہ میں وفات پائی تھی۔ اور وہیں مدفون ہوئے تھے اس لئے بلاذری کی روایت کو مفہوم کے لحاظ سے رد کرنا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ ابن سعد نے اسی ضمن میں دار النابغہ کا محل وقوع بھی بتایا ہے کہ نابغہ بنو عدی بن نجار کا ایک فرد تھا اور اس کا گھر اس دار (احاطہ) میں واقعہ تھا کہ جب آپ داخل ہوں تو دویرۃ (چھوٹا گول چبوترہ) آپ کے بائیں ہاتھ ہوگا۔ ابن سعد نے اپنی روایت میں یہ بیان کیا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ منورہ کے اس قیام کے بعض

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

واقعات یاد تھے اور وہ ان کا ذکر کیا کرتے تھے۔ آپ نے جب بنو عدی بن نجار کی گڑھی (اُطم) دیکھی تو فوراً پہچان لیا اور فرمایا کہ ''میں اس اُطم پر انصار کی ایک لڑکی انیسہ کے ساتھ کھیلا کرتا تھا اور اپنے ماموؤں کے بچوں کے ساتھ چڑیاں اڑایا کرتا تھا۔'' (و کنت مع غلمان من اخوالی نطیر طائراً کان یقع علیه) اور دارالنابغہ کو دیکھ کر فرمایا: ''یہاں میری ماں میرے ساتھ اتری تھیں اور اسی احاطہ میں میرے والد عبداللہ بن عبدالمطلب کی قبر ہے اور میں بنو عدی بن نجار کے کنویں یا تالاب (بئر) میں خوب تیرا کرتا تھا۔''

ابن سعد اور ابن کثیر نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اسی سفر و زیارت کے دوران کچھ یہودی لوگ آیا کرتے آپ کو دیکھا کرتے تھے اور حضرت ام ایمن کی زبان سے اسی روایت میں یہ بھی کہلوایا گیا ہے کہ ان میں سے کسی کو میں نے کہتے سنا تھا کہ ''یہ اس امت کا نبی ہے اور یہی ان کا دار ہجرت ہے اور مجھے ان کی یہ بات خوب یاد رہ گئی۔'' ابن کثیر کے ہاں واقدی کی سند پر یہ اضافہ ہے کہ ''یہود کے دو آدمی آئے اور فرمائش کر کے آپ کو خوب دیکھا بھالا اور آپ کی نبوت و ہجرت کی پیشگوئی کے علاوہ قتل و غلام بنانے کے امر عظیم کا بھی ذکر کیا۔ آپ کی والدہ نے جب یہ سنا تو خوفزدہ ہو کر واپس ہوئیں مگر ابواء میں انتقال کر گئیں۔'' ابن سعد نے ام ایمن کے ساتھ آپ کی دو اونٹوں پر واپسی مکہ کا ذکر بھی کیا ہے۔ آخر میں سب کے ہاں مفصل یا مختصر یہ ذکر پایا جاتا ہے کہ بعد میں آپ کی والدہ کی قبر کی زیارت کی اجازت مل گئی تھی مگر استغفار کی اجازت نہیں ملی تھی۔ ابن کثیر نے ایسی تمام روایات یکجا کر دی ہیں۔ ابن سعد وغیرہ نے آپکے قبر والدہ کی اصلاح کرنے اور رونے کا بھی حوالہ دیا ہے۔

بی بی آمنہ کے بارے مین کل یہی تفصیلات ملتی ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کہیں اور ایک دو روایات مل جائیں مگر ان سے نہ تو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی والدہ مکرمہ سے تعلقات کا پتہ چلتا ہے اور نہ آپ کی پرورش و پرداخت کے بارے میں معلومات ملتی ہیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ آپ کی تربیت و پرورش میں آپ کے ننہالی رشتہ داروں بنو عدی بن نجار کے حسن سلوک کا ذکر ضرور ملتا ہے خواہ وہ کس قدر مختصر اور غیر اہم کیوں نہ رہا ہو۔

ہمارے جدید عہد کے بیشتر مؤلفین سیرت نے ان واقعات کا اسی سیاق میں ذکر کیا ہے مثلاً صفی الرحمٰن مبارکپوری، ص ۸۔۸۷۔

شبلی نعمانی، اول، ص ۶۔۷۵ لان کا مختصر ذکر کیا ہے اور اسی طرح مختصر ذکر مولانا مودودی، سیرت، دوم، ص ۱۰۰۔۹۹۔

۲۷۔ اس کی بعض جزئیات کا ذکر آگے آرہا ہے۔ مثلاً مولانا مودودی، سیرت، دوم، ص ۱۰۱، نے طالب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بن ابی طالب کے بارے میں کہا ہے کہ ''اس کو حضور سے بے انتہا محبت تھی۔'' مولانا مودودی، ص ۱۰۲ نے ابن سعد کے حوالہ سے پھوپھیوں کی محبت کا واقعہ بھی لکھا ہے۔ نیز ص ۸۔ ۴۹۷، پر ابو سفیان بن حارث کی محبت رسول کا حوالہ ہے۔ ملاحظہ ہو ابن سعد، چہارم، ص ۵۰۔ ۴۹'' بلاذری، اول، ص ۹۔ ۹۲۔ ابولہب کے بارے میں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اسلام سے قبل آپ کی دو بیٹیوں سے ابولہب نے اپنے دو بیٹوں کی نسبت کی تھی۔

۲۸۔ ابن اسحاق (اردو)، ص ۶۔ ۴۲، ابن ہشام، ص ۷۔ ۶۵، ابن سعد، اول، ص ۳۔ ۱۰۲، ص ۳۔ ۱۱۱ ابن کثیر، اول، ص ۳۴۔ ۲۰۴۔ یہ اہم بات ہے کہ بلاذری نے ان کو زیادہ تر نظر انداز کیا ہے۔ جبکہ ابن کثیر نے ان کو زیادہ سے زیادہ جمع کرنے کی کوشش کی ہے۔ بلکہ ان کے لئے ایک سے زیادہ فصلیں قائم کی ہیں۔ مولانا شبلی، اول، ص ۱۔ ۱۷۰، اور صفی الرحمٰن مبارکپوری، ص ۸۳، وغیرہ نے ان کو خوبصورتی سے نقل کر کے گریز کیا ہے۔ نیز ملاحظہ ہو مولانا مودودی، سیرت دوم، ص ۵۔ ۹۴۔

۲۹۔ ابن اسحاق، (اردو)، ص ۶۱، ابن ہشام، اول، ص ۱۶۸، ابن کثیر، اول، ص ۴۰۔ ۲۳۹، بلاذری اول، ص ۹۶، نے اس واقعہ کا ذکر نہیں کیا جبکہ ابن سعد، اول، ص ۸۔ ۱۱۷، میں یہ واقعہ مختصراً بطور بیانیہ بیان ہوا ہے اور تفصیل نہیں ہے۔

مولانا شبلی، اول، ص ۶۔ ۱۷، نے دادا کی تربیت کو ڈیڑھ سطری جملہ میں بیان کر دیا ہے کہ ''دامن تربیت میں لیا ہمیشہ یہ آپ کو اپنے ساتھ رکھتے تھے۔'' اور اسی کے حاشیہ نمبر ۲، میں حوالہ تو کوئی نہیں دیا البتہ مارگولیتھ کے خیال خام پر بھرپور تبصرہ کیا ہے۔ البتہ صفی الرحمٰن مبارکپوری، ص ۸۸، نے مختصراً ذکر کیا ہے اور مذکورہ بالا واقعہ بیان کیا ہے اور بس۔ نور محمد غفاری، ص ۹۔ ۶۸ نے تفصیلات نہ ملنے کا شکوہ کرتے ہوئے صرف عام نوازشات کا ذکر کیا ہے۔

۳۰۔ ابن اسحاق، (اردو)، اول، ص ۶۱، ابن ہشام، اول، ص ۱۶۸، میں یہ تفصیلات نہیں ہیں۔ وہ بلاذری، کے ہاں بھی غائب ہیں۔ صرف ابن سعد، اول، ص ۹۔ ۱۱۷ اور ابن کثیر اول، ص ۴۱۔ ۲۳۹، کے ہاں پائی جاتی ہیں۔ مؤخر الذکر نے آپ کے دادا کے جنازے میں شرکت کرنے کا حوالہ نہیں دیا ہے۔

مولانا شبلی، اول، ۶۔ ۱۷، نے سارے واقعات نظر انداز کر کے جنازہ کا واقعہ بلاحوالہ و سند نقل کیا ہے۔

صفی الرحمٰن مبارکپوری، ص ۸۸، نے عام تربیت و محبت اور فرش والے واقعہ کے علاوہ اور کچھ نہیں بیان کیا۔ مولانا مودودی، سیرت دوم، ص ۱۔ ۱۰۰، نسبتاً زیادہ تفصیلات دی ہیں۔

۳۱۔ مثلاً غزوۂ حنین میں مسلمانوں کے اول دہلہ میں راہِ فرار اختیار کرنے پر آپ نے پکارا تھا۔ انا النبی لا کذب، انا ابن عبدالمطلب. ابن سعد، دوم، ص ۱۵۱، بخاری، باب غزوۂ حنین/ باب قول اللہ

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ امام مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم رخصت ہو جاتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تعالیٰ۔ ویوم حنین...... الی قوله غفور رحیم.

مولانا شبلی، اول، ص ۵۲۹، نے صحیح بخاری، جلد دوم، ص ۶۲۱، غزوۂ دیا ہے اور قوسین میں جامع ندوی نے (طائف) کا اضافہ کیا ہے۔

۳۲۔ ابن اسحاق، (اردو)، ص ۶۲، ابن ہشام، اول، ص ۱۵۳، ۱۷۹، ابن سعد، اول، ص ۱۱۸، ابن کثیر، اول، ص ۱۴۱۔۱۴۰، سوائے ابن سعد کے اور سب نے ابو طالب و عبداللہ کے حقیقی بھائی ہونے کا ذکر کیا ہے۔ بلاذری، اول، ص ۹۶، نے عبدالمطلب کی وصیت کا ذکر نہیں کیا ہے۔ صرف کفالت ابی طالب کا ذکر کیا ہے۔

جدید مؤلفین سیرت میں ملاحظہ ہو شبلی نعمانی، اول، ص ۷۔۱۷۶، انہوں نے اس کا کوئی حوالہ نہیں دیا ہے۔ اسی طرح صفی الرحمٰن مبارکپوری نے ''شفیق چچا کی کفالت میں'' سرخی لگائی ہے مگر حوالے دینے سے گریز کیا ہے۔ مولانا مودودی، سیرت، دوم، ص ۱۰۱، نے لکھا ہے کہ بعض روایات کی رو سے ان کی وصیت کے مطابق اور بعض دوسری روایات کے مطابق بطور خود ابو طالب نے حضور کو اپنی کفالت میں لے لیا۔'' نور محمد غفاری، مذکورہ بالا، ص ۶۹، تو یہاں تک دعویٰ کرتے ہیں کہ ''عبدالمطلب کے دس بیٹوں میں ابو طالب ہی آپ کے حقیقی چچا تھے۔

۳۳۔ ابن کثیر، السیرۃ النبویہ، اول، ص ۲۳۲، نے یہ روایت اموی سے نقل کی ہے جس کی سند پہلے نقل ہو چکی ہے۔ اور خود ہی عثمان بن عبدالرحمٰن وقاصی کو ضعیف قرار دیا ہے لیکن ابن اسحاق کے سیاق کے خلاف ہونے کے سبب اس کو نقل کیا ہے۔ ابن کثیر کا طریقۂ نقل روایات یہ ہے کہ وہ جن روایات کو کمزور و ضعیف سمجھتے ہیں ان کے بارے میں رائے دیتے یا ان پر نقد کرتے ہیں۔ یہ ان روایات میں سے ہے جن پر انہوں نے کوئی نقد یا تبصرہ نہیں کیا ہے۔

ابن کثیر کے طریقۂ نگارش پر ملاحظہ ہو مسعود الرحمٰن خاں ندوی، ابن کثیر کمؤرخ، مسلم یونیورسٹی مطبوعات علی گڑھ، ۱۹۸۰ء ص ۶۰۔۱۴۱، اور پروفیسر موصوف کا مضمون ''اسلامی تاریخ نگاری اور ابن کثیر کا طریقہ کار۔'' نقوش، شمارہ نمبر ۱۲۸، لاہور ۱۹۹۰ء، ص ۹۷۔۶۸۔

۳۴۔ ابن اسحاق (اردو)، ص ۲۱، ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والد عبداللہ بن عبدالمطلب اپنے باپ (ابیہ) کے سب بیٹوں سے چھوٹے تھے۔ وہ اور زبیر اور ابو طالب تینوں مسماۃ فاطمہ بنت عمر...... مخزوم کے بطن سے تھے۔'' ابن ہشام، اول، ص ۱۰۹، میں مزید وضاحت یہ ہے کہ عبدالمطلب کے بیٹوں عبداللہ، ابوطالب اور زبیر کی بلکہ صفیہ کے سوا تمام بیٹیوں کی ماں فاطمہ بنت عمرو مخزومی تھیں، ابن سعد، اول، ص ۹۳، نے عبدالمطلب کی اولادوں کے ذکر میں کہا ہے کہ ان کے بارہ فرزند اور چھ

علم و فن میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی ثانی نہیں: (محدث ابو زرعہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دختروں میں...... عبداللہ اور زبیر تھے جو شاعر و شریف تھے اور انہیں کو عبدالمطلب نے وصیت کی تھی (وصی بنایا تھا: والیہ اوصی عبدالمطلب) اور ابو طالب تھے جن کا نام عبد مناف تھا اور عبد کعبہ تھے جو مر گئے اور بے نشان و بے اولاد رہے اور ام حکیم، جو البیضاء کہلاتی ہیں عاتکہ، تبرہ، امیمہ اور اروی تھیں اور ان سب کی ماں فاطمہ بنت عمرو مخزومی تھیں...... بلاذری، انساب الاشراف، اول، ص ۸۔۸۷، نے ان اولادوں کے ذکر کے علاوہ اور مزید معلومات بھی بہم پہنچائی ہیں۔ زبیر کے بارے میں کہا ہے کہ "وہ قریش کے حکام میں سے ایک تھے اور عبداللہ و ابو طالب دونوں بڑے تھے۔ اور ان سب کی ماں ایک تھیں۔" ابن کثیر، اول، ص ۱۰۳، نے اسی کی تائید میں ابن ہشام کی روایت اپنی تعلیقات سمیت نقل کر دی ہے۔ بلاذری، اول، ص ۲۷، نے وصیت عبدالمطلب کے بارے میں مزید تصریح کی ہے کہ عبدالمطلب نے زبیر کو وصی بنایا تھا اور زبیر نے ابو طالب کو اور ابو طالب نے عباس کو اور یہ حقیقی واقعات کے مطابق بھی معلوم ہوتی ہے۔

ان تمام مصادر اصل اور مآخذ انساب سے واضح ہوتا ہے کہ ابو طالب کی طرح زبیر بھی آپ کے حقیقی چچا تھے اور اگر یہی وجہ وصیت پدری تھی تو زبیر زیادہ مستحق تھے کہ وہ بڑے بھی تھے، باپ کے وصی بھی تھے اور شفیق بھی تھے۔ حیرت کی بات ہے کہ تمام مؤلفین سیرت نے اس حقیقت کو دانستہ یا غیر دانستہ نظر انداز کیا ہے۔ اسے کم از کم صحیح تاریخ نگاری یا اسلامی سیرت نویسی نہیں کہا جا سکتا۔ یہ "وکالت بیجا" اور "حمایت پسندیدہ" کے ضمن میں آتی ہے۔ اور قارئین کو گمراہ کرتی ہے۔ صحیح طریقہ تو یہ ہے کہ دونوں روایات نقل کر کے ترجیح خواہ کسی کو دی جاتی روایات سے گریز و اجتناب "وفور شوق" اور "غلوئے عقیدت و محبت" کا غماز ہونے کے علاوہ "حق و صداقت پر تیشہ زنی" کے بھی مترادف ہے۔

۳۵۔ ملاحظہ ہو مرتبین و محققین ابن ہشام کا حاشیہ نمبر ۲، ص ۱۰۸، افسوس کہ انہوں نے اپنی معلومات کی یہاں تصریح نہیں کی ہے لیکن دوسرے حواشی و تعلیقات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ معلومات سیرت ابن ہشام کی شروح وغیرہ جیسے سہیلی کی الروض الانف، زرقانی کی شرح المواہب اللدنیہ وغیرہ سے نقل کی ہیں۔ مزید افسوس یہ ہے کہ یہ کتابیں سر دست میری دسترس سے باہر ہیں ورنہ ان کی تائید/ تردید یا تشریح میں باسند بات کہی جاتی۔

۳۶۔ بلاذری، اول ص ۹۲، نے آپ کے والد مکرم عبداللہ کی وفات کے بارے میں تین روایتیں بیان کی ہیں اور سوم روایت میں جو "یقال" سے شروع ہوتی ہے یہ تصریح موجود ہے کہ ان کے والد نے ان کی بیماری کی خبر سن کر زبیر بن عبدالمطلب کو بھیجا تھا۔ جو ان کے بھائی تھے اور وہ عبداللہ کی تدفین کے وقت موجود رہے تھے۔ اگر "یقال" کی روایت بالعموم مؤلف سیرت اور ناقدین کے نزدیک مجروح،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ضعیف یا کمتر درجہ کی ہوتی ہے مگر یہ روایت یوں زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے کہ اسی روایت میں عبداللہ کے غزہ سے سامانِ تجارت کے ساتھ واپس آنے، مدینہ منورہ بیمار ہو کر پہنچنے اور اپنے باپ کے ماموؤں کے گھر اترنے اور وہیں وفات پانے کا ذکر ہے اور اسی کو بقیہ تمام راویوں اور سیرت نگاروں نے صحیح سمجھ کر قبول کیا ہے اور بقیہ روایات جو عبداللہ کے مقصد سفر کے بارے میں آئی ہیں مسترد کر دی ہیں۔ ملاحظہ ہوں ابن اسحاق، ابن ہشام، ابن سعد، ابن کثیر وغیرہ کی روایات و ترجیحات۔ مگر غالباً بلاذری کے نزدیک یہ روایت زیادہ صحیح نہیں ہے اسی لئے اس کو "یقال" سے ذکر کیا ہے۔

۳۷۔ آپ کے جد امجد عبدالمطلب کے والد ہاشم بن عبد مناف نے اپنی شامی تجارت کے آخری سفر کے دوران جس میں ان کی وفات بھی ہوگئی مدینہ منورہ کے خاندان خزرج کے گھرانے بنوعدی بن النجار کی ایک خاتون سلمیٰ بنت عمرو/ عبداللہ بن زید سے شادی کی تھی اور اسی سے عبدالمطلب پیدا ہوئے تھے۔ اس لئے وہ بنوعدی بن النجار عبداللہ، ابوطالب، زبیر کے زیادہ قریبی احوال تھے کہ یہ تینوں حقیقی بھائی تھے۔ جبکہ دوسرے بھائیوں کی مائیں مختلف تھیں۔ ملاحظہ ہو ابن ہشام اول، ص ۸۔ ۱۰۸، ۱۳۷، ابن سعد، اول، ص ۹۔ ۸۷، بلاذری، اول، ص ۵۔ ۶۴، ابن کثیر، اول، ص ۱۰۲، مؤخر الذکر میں صرف عبدالمطلب کی ماں کا ہی نام مذکور ہے۔

۳۸۔ ابن سعد، اول، ص ۳۔ ۹۲، نے صرف حارث کے باپ کی زندگی میں مرنے کا ذکر کیا ہے جبکہ بلاذری، اول، ص ۸۹، نے تصریح کی ہے کہ جس سال عبدالمطلب نے اپنی نذر پوری کرنے پر اونٹ قربان کئے تھے۔ یعنی عبداللہ کی زندگی بچانے کے لئے اسی سال حارث بن عبدالمطلب کا انتقال ہو گیا اور اس وقت ان کے فرزند ربیعہ بن حارث کی عمر دو سال تھی۔ اسی کے متصلاً بعد بلاذری نے واقدی کی یہ روایت نقل کی ہے کہ اونٹوں کی نذر و قربانی واقعۂ فیل سے پانچ سال قبل ہوئی تھی اور ربیعہ بن حارث رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سات سال بڑے تھے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ حارث کا انتقال عبداللہ کی وفات سے چھ سات ماہ پہلے ہوا تھا۔ مزید روایات نظرانداز کی جاتی ہیں۔

۳۹۔ ابن اسحاق، (اردو)، ص ۶۶ نے اس کا ترجمہ "لوگوں کا گمان ہے" سے کیا ہے، ابن ہشام، اول، ص ۱۷۹، کے ہاں۔ فیما یزعمون عبدالمطلب کے وصیت کرنے سے متعلق ہے۔

۴۰۔ ابولہب کی محبت رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے بڑا ثبوت تو آپ کی ولادت پر اس کی خوشی اور آپ کی رضاعت کے لئے ثوبیہ کی تقرری تھی۔ دوسری روایات سے اس کی آپ سے محبت و شفقت کا پتہ چلتا ہے اس کی دشمنی و عداوت کا سبب تو اسلام تھا اور جاہلیت میں تو وہ آپ کے دوسرے چچاؤں کی طرح شفیق و کریم ہی تھا۔ ابن سعد، اول، ص ۹۳، نے اس کو "جواد" (سخی) کہا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے۔ نیز ملاحظہ ہو مولانا مودودی، سیرت دوم، ص ۶۲۵ کا وہ بیان جب اس نے ابوطالب کی موت کے بعد آپ کی حمایت کا ارادہ کیا تھا مگر پھر حمیتِ جاہلی نے اسے ایسا کرنے سے باز رکھا۔ اس کے مآخذ کے لئے ملاحظہ ہو ابن سعد، اول، ص ۱۱-۲۱۰۔

۴۱۔ کفالت ابی طالب کے لئے ملاحظہ ہو: ابن اسحاق، (اردو)، ص ۶۸، ابن ہشام، اول، ص ۱۷۹، ابن سعد، اول، ص ۲۱-۱۱۹، بلاذری، اول، ص ۹۶، ابن کثیر، اول، ص ۳-۲۴۱۔

جدید مؤلفین سیرت میں مولانا مودودی، سیرت، دوم، ص ۱۰۱، نے سب سے زیادہ مفصل بیان لکھا ہے۔

۴۲۔ ابن سعد، ہشتم، ذکر فاطمہ بنت اسد، زبیری، ص ۸۰، اصابہ انساء نمبر ۵۱ اور ۲۳۱۷۔

۴۳۔ ابن اسحاق، (اردو)، ص ۷۰-۶۸، ابن ہشام، اول، ص ۸۳-۱۸۰، ابن سعد، اول، ص ۲۱-۱۱۹، بلاذری، اول، ص ۷-۹۶، ابن کثیر، اول، ص ۹-۲۴۳۔

مولانا شبلی نعمانی، اول، ص ۸۱-۱۷۸، مولانا مودودی، سیرت، دوم، ص ۹-۱۰۴، نے اس واقعہ کے علاوہ بحیرا راہب کے قصہ اور دوسری پیش گوئیوں سے مفصل بحث کی ہے۔ نیز ملاحظہ ہو سید سلیمان ندوی، سیرت النبی، اعظم گڑھ، ۱۹۸۳ء، ص ۴-۲۶۱، نے اس پر سب سے مفصل تجزیہ کیا ہے۔

۴۴۔ مثلاً مارگولیتھ، مذکورہ بالا، ص ۷-۴۵۔

ابن سعد، اول، ص ۱۲۶، کی ایک روایت جو اس موضوع پر پانچویں ہے یہ حدیث بیان کرتی ہے کہ میں اپنے اہل کی بکریاں اجیاد میں چرایا کرتا تھا۔ (و...... و بعثت و انا ارعی غنم اھلی بأجیاد) اس سے استنباط لیا جا سکتا ہے مگر اہل سے مراد آپ اپنے اہل پہلے ہوتے ہیں۔ ابن اسحاق، (اردو)، ص ۵-۷۴، اور ابن ہشام اول، سے اپنی بکریاں چرانے کا واقعہ معلوم ہوتا ہے۔ ابن کثیر اول، ص ۲۵۲، میں "ونحن فی رعاء غنم اھلھا" ہے۔

۴۵۔ ابن ہشام، اول، ص ۱۶۶، ابن سعد، اول، ص ۶-۱۲۵، ابن کثیر، اول، ص ۲۲۷ میں ہے۔ "فی بھم لنا......"

۴۶۔ بخاری، کتاب الاجارۃ، باب رعی الغنم علی قراریط: ابن ماجہ، سنن، کتاب التجارات، باب الصناعات، شبلی نعمانی، اول، ص ۸-۱۷۷، حاشیہ نمبر ۱۔

امام بخاری نے ایک روایت، کتاب بدءِ الخلق، باب العکفون علی اصنام لھم میں بھی نقل کی ہے جس سے یہی مفہوم معلوم ہوتا ہے۔ لیکن وہ مختصر ہے۔

مولانا مودودی، سیرت، دوم، ص ۲-۱۰۱، اور نور محمد غفاری، مذکورہ بالا، ص ۳-۱۷، نے اجرت ہی پر

☆ اترکوا قولی بخبر الرسول ﷺ ☆ حدیث شریف کے مقابلے میں میرے قول کو چھوڑ دو (ابو حنیفہ) ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ کے بکریاں چرانے کا ذکر کیا ہے اور اسی روایت کو دوسری روایات نقل کے باوجود ترجیح دی ہے۔

مولانا مودودی نے یہ بھی کہا ہے کہ مکہ کے جغرافیہ میں کسی مقام کا نام قراریط ہونا ثابت نہیں ہے۔''

ڈاکٹر محمد حمید اللہ، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، اردو ترجمہ، نذیر حق، نقوش رسول نمبر لاہور ۱۹۸۲ء، ص ۵۱۹، نے کہا ہے کہ ''وہ اپنے ایک ہمسایہ ابو معیط کی بھیڑیں چرانے لگے...... اس کے علاوہ وہ اپنے چچا کے کپڑے وغیرہ کی دکان میں بھی ہاتھ بٹانے لگے اور بالآخر ان کی جگہ دکان داری ہی کرنے لگے......'' مگر اس کا حوالہ نہیں دیا ہے۔

۴۷۔ مثلاً ملاحظہ ہو: عبدالسلام مبارکپوری، سیرۃ البخاری، اظہر بک ڈپو دہلی، ۱۹۸۶ء ص ۸۔۱۶۰۔ بخاری کے تراجم ابواب کی اس قدر اہمیت ہے کہ اس پر مستقل تصانیف لکھی گئیں۔ علامہ مبارکپوری نے پانچ ایسی کتابوں کے نام گنائے ہیں۔

۴۸۔ مولانا مودودی، نور محمد غفاری کے حوالے اوپر حاشیہ نمبر ۴۶، میں آچکے ہیں۔

صفی الرحمٰن مبارکپوری، ص ۹۲۔

۴۹۔ مثلاً: ابن سعد، اول، ص ۱۵۳، نے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی سے قبل علامات نبوت کے باب میں حضرت ابو طالب کے ساتھ بازار ذوالمجاز میں آپ کی موجودگی کا حوالہ دیا ہے۔ اگرچہ اس میں تجارت و کاروبار کا کوئی ذکر نہیں تاہم وہ قیاس کرنا غلط نہ ہوگا۔ نور محمد غفاری، ص ۷۵، نے ابو طالب کے ساتھ بعض تجارتی سفر کرنے کا ذکر تو کیا ہے مگر حوالہ نہیں دیا۔

۵۰۔ بلاذری، انساب الاشراف، اول، ص ۹۷۔

۵۱۔ سید سلیمان ندوی نے آپ کے سن رشد کو پہنچنے پر تجارت کا پیشہ اختیار کرنے کی بات کہی ہے۔ ملاحظہ ہو: شبلی نعمانی، سیرت النبی، اول، ص ۱۸۵، نیز شاہ معین الدین ندوی، تاریخ اسلام، اعظم گڑھ، ۱۹۸۸ء اول، ص ۱۶، نے سید صاحب کی بات نقل کر دی ہے۔

بیشتر مؤلفین سیرت نے حضرت خدیجہ کی تجارت اور پھر شادی ہی کے ضمن میں آپ کی تاجرانہ زندگی کا ذکر کیا ہے لیکن نقطۂ آغاز کا ذکر نہیں ہے۔

۵۲۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد و آباء میں سے ہاشم بن عبد مناف، عبدالمطلب، عبداللہ وغیرہ تقریباً سب کی کم و بیش یہی عمر تھی جب انہوں نے تجارت کا سلسلہ شروع کیا تھا۔ تلاش و جستجو سے مزید مثالیں مل سکتی ہیں۔ ملاحظہ ہوں: ابن اسحاق، ابن ہشام، بلاذری، ابن کثیر وغیرہ میں ان حضرات کی عمریں اور تجارت کے واقعات۔

۵۳۔ مثال کے طور پر صفی الرحمٰن مبارکپوری، ص ۹۲، کا بیان ملاحظہ ہو ''مکہ میں اہل مکہ کی بکریاں چند قیراط

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ: امام مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم رخصت ہو جاتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے عوض چراتے تھے۔ پچیس سال کی عمر ہوئی تو حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال لے کر تجارت کے لئے ملک شام تشریف لے گئے۔ مصنف موصوف نے اس سے پہلے آپ کی تجارت کا کوئی حوالہ نہیں دیا ہے جبکہ مولانا شبلی، اول، ص ۸۔ ۱۸۵، نے بلکہ ان کے جامع سید سلیمان ندوی نے آپ کی تجارت کے نقطۂ آغاز سے اچھی بحث کی ہے نیز ملاحظہ ہو: مولانا مودودی، سیرت، دوم، ص ۱۳۔ ۱۱۱، نے حضرت خدیجہ کی تجارت کے ضمن میں ہی آپ کی تجارت کا ذکر کیا ہے۔

۵۴۔ مضاربت کے طریقے کیلئے حضرت خدیجہ اور حضرت ابوسفیان کے ساتھ تجارت کے واقعات شاہد ہیں۔ قدیم و جدید تمام سیرت نگاروں نے مضاربت کے طریقے کا ذکر کیا ہے۔ مثلاً ابن ہشام، اول، ص ۱۸۸، نے حضرت خدیجہ کے بارے میں کہا ہے کہ وہ لوگوں کو اپنے مال کے لئے اجرت پر لیتی تھیں اور ان کے ساتھ مضاربت کا معاملہ کرتی تھیں اور ان کو کچھ معاوضہ دیتی تھیں۔ **تستاجر الرجال فی مالها و تضاربهم اتباه بشیء تجعله لهم.**

۵۵۔ شبلی نعمانی، اول، ص، ۸۔ ۱۸۵، نے ان تین شرکاء تجارت نبوی کا ذکر سنن ابی داؤد، جلد دوم، ص ۳۲۶، کتاب الادب، باب فی الوعد، اور ابو داؤد، جلد دوم، ص ۳۱۷، اور اصابہ جلد پنجم، ص ۲۵۳، ترجمہ حضرت قیس بن سائب کے حوالے سے کیا ہے۔ جبکہ عدد و سفر کے لئے، نور النبر اس فی شرح ابن سید الناس اور مسند امام احمد بن حنبل، چہارم، ص ۲۰۶، کا ذکر کیا ہے۔ یہ معلومات انہیں سے ماخوذ ہیں۔ نیز ملاحظہ ہو: مولانا مودودی، سیرت، دوم، ص ۱۳۔ ۱۱۱، نے آپ کے شرکائے تجارت کا ذکر نہیں کیا ہے۔ جبکہ نور محمد غفاری، ص ۶۔ ۵۷، نے مولانا شبلی کی بیان کردہ روایات مع حوالہ جات نقل کر دی ہیں اور مولانا موصوف کا حوالہ نہیں دیا۔ یہ تفصیل محمد حمید اللہ، مذکورہ بالا ص ۴۔ ۵۲۲، کے یہاں حضرت خدیجہ کی تجارت و شادی کے ضمن میں ملتی ہے اور وہ بھی مختصر۔

۵۶۔ ابن اسحاق، (اردو)، ص ۷۔ ۷۶، ابن ہشام، اول، ص ۹۰۔ ۱۸۷، ابن سعد، اول، ص ۳۲۔ ۱۳۰، بلاذری، اول، ص ۹۷، ابن کثیر، اول، ص ۷۔ ۲۶۲۔

نیز ملاحظہ ہو: شبلی نعمانی، اول ص ۸۔ ۱۸۵، صفی الرحمٰن مبارکپوری، اول، ص ۳۔ ۹۲، مولانا مودودی، سیرت، دوم، ص ۱۴۔ ۱۱۱۔

۵۷۔ اس کی تائید ابن کثیر اور سید سلیمان ندوی وغیرہ کی بیان کردہ مذکورہ بالا تفصیلات سے بھی ہوتی ہے۔ ابن کثیر، اول، ص ۲۶۶ پر حضرت جابر سے مروی ایک روایت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمایا کہ ”میں نے خدیجہ کے لئے اجرت پر دو سفروں میں کام کیا اور بدلہ میں ایک اونٹنی (قلوص) پائی۔“ یہ بیہقی کی روایت ہے جس کا ایک راوی ربیع بن بدر بقول ابن کثیر ضعیف ہے۔“

علم و فن میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی ثانی نہیں : (محدث ابوزرعہ)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۵۸۔ ابن کثیر، اول، ص ۳۰۔۱۲۳۔

۵۹۔ انساب الاشراف، یروشلم، چہارم، (الف) ص ۱۲، نیز ملاحظہ ہو: محمد جاسم حمادی مشہدانی، موارد البلاذری عن الاسرۃ الامویۃ فی انساب الاشراف، مکتبۃ الطالب الجامعی، مکہ مکرمہ، ۱۹۸۶ء، اول، ص ۱۹۷۔

۶۰۔ مثلاً حضرات ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، طلحہ بن عبیداللہ، زبیر بن عوام وغیرہ۔ متعدد صحابہ کرام کی کمی تجارت کے حوالے ملتے ہیں۔

۶۱۔ ابتدائی تفاسیر کے لئے طبری اور ابن جریر وغیرہ کے ہاں ایسی روایات کا مطالعہ کیا جائے۔ اختصار کے خیال سے ان کا تجزیہ چھوڑا جا رہا ہے۔

شاہ عبدالقادر دہلوی، موضح القرآن، تاج کمپنی، لاہور کراچی غیر مؤرخہ، ص ۱۰۰۰، فرماتے ہیں ''حضرت خدیجہ اپنی بھی قوم میں اشراف تھیں اور مالدار، ان سے نکاح ہوا۔ سب مال انہوں نے حاضر کیا۔''

مولانا شبیر احمد عثمانی، قرآن مجید مترجم ومحشی، دارالتصنیف کراچی، ۱۹۷۵ء، ص ۷۷۹، حاشیہ نمبر ۱ ''اس طرح کہ حضرت خدیجہ کی تجارت میں آپ مضارب ہو گئے۔ اس میں نفع ہوا، پھر حضرت خدیجہ نے آپ سے نکاح کر لیا اور اپنا تمام مال حاضر کر دیا، یہ تو ظاہری غنا تھا، باقی آپ کے قلبی اور باطنی غنا کا درجہ تو وہ غنی عن العالمین ہی جانتا ہے کوئی بشر اس کا کیا اندازہ کر سکے......''

مولانا ابو الاعلیٰ مودودی، تفہیم القرآن، مرکزی مکتبہ اسلامی دہلی، ۱۹۸۳ء، جلد ششم، ص ۴۔۳۷۳، حاشیہ نمبر ۸، میں فرماتے ہیں ''نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے آپ کے والد ماجد نے میراث میں صرف ایک لونڈی چھوڑی تھی اس طرح آپ کی زندگی کی ابتداء افلاس کی حالت میں ہوئی پھر ایک وقت آیا کہ قریش کی سب سے زیادہ مالدار خاتون حضرت خدیجہ نے پہلے تجارت میں آپ کو اپنے ساتھ شریک کیا۔ اس کے بعد انہوں نے آپ سے شادی کر لی اور ان کے تمام تجارتی کاروبار کو آپ نے سنبھال لیا۔ اس طرح آپ نہ صرف یہ کہ مالدار ہو گئے بلکہ آپ کی مالداری اس نوعیت کی نہ تھی کہ محض بیوی کے مال پر آپ کا انحصار ہو۔ ان کی تجارت کو فروغ دینے میں آپ کی محنت و قابلیت کا بڑا حصہ تھا۔'' اور سیرت سرورِ عالم، دوم، ص ۱۱۷، پر لکھا ہے کہ حضرت خدیجہ سے شادی کے بعد حضور کی مفلسی کا دور ختم ہو گیا۔''

مولانا امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، فاران فاؤنڈیشن لاہور، ۱۹۸۵ء، جلد نہم، ص ۹۔۴۱۷، ''اگر سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدہ خدیجہ سے کچھ فائدہ پہنچا تو یہ حضرت خدیجہ اور ان کے مال کی ایسی خوش بختی ہے جو اس زمین پر کسی مال اور کسی صاحب مال کو مشکل ہی سے حاصل ہوئی ہوگی لیکن وہ غنا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس کا یہاں ذکر ہے مجرد مال سے...... نہیں حاصل ہوتا بلکہ یہ اصلاً اس ہدایت کا ثمرہ ہے جس کا ذکر اوپر والی آیت میں ہے۔ اور جس کی صحیح تعبیر وہ ''شرح صدر'' ہے جس کی تفصیل بعد کی سورۂ الم نشرح میں آئے گی۔ جن لوگوں نے اس غنا کو تمام تر حضرت خدیجہ مال کا نتیجہ قرار دیا ہے ان کی نظر صرف ظاہر پر ٹک گئی ہے...... بلکہ اصلاً اس سے دین کی وہ حکمت اور شریعت کی وہ دولت مراد ہے جس کی شان قرآن میں یہ بیان ہوئی ہے۔ ''ومن یؤت الحکمة فقد اوتی خیراً کثیراً......''

علامہ عبداللہ یوسف علی، The Holy Quran، امانہ کارپوریشن، برنٹ وڈ، میری لینڈ ۱۹۸۹ء، ص ۱۶۶۳، حاشیہ نمبر ۶۱۸۲، کے خیال کا اردو ترجمہ یہ ہے ''ہمارے مقدس پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی یتیم تھے، آپ کے والد عبداللہ آپ کی ولادت سے قبل نوجوانی میں انتقال کر گئے تھے اور کوئی جائیداد نہیں چھوڑ گئے تھے۔ (Leaving no Property)'' حاشیہ نمبر ۶۱۸۴ میں فرماتے ہیں کہ ''مقدس پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے کوئی جائیداد وراثت میں نہ پائی اور غریب تھے۔ حضرت خدیجہ کی سچی، خالص اور وفادارانہ محبت نے نہ صرف آپ کو ضروریات سے مستغنی کیا بلکہ آپ کو بعد کی زندگی میں تمام دنیاوی ضروریات سے آزاد کر دیا تاکہ آپ اپنا پورا وقت خدمت الٰہی میں بسر کر سکیں۔''

ان تمام تفسیری آراء اور ان جیسی دوسری خیال آرائیوں کا ہم تجزیہ کرتے ہیں تو نظر آتا ہے کہ شاہ عبدالقادر اور مولانا شبیر احمد عثمانی نے آپ کے مادی غنا کے لئے حضرت خدیجہ کے مال کی حاضری کو اصل سبب قرار دیا ہے۔ مولانا مودودی نے دولت خدیجہ میں آپ کی محنت و قابلیت کو بھی شامل کر لیا ہے۔ مولانا اصلاحی نے بہرحال مادی غناء نبوی کو دولت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا شاخسانہ ہی قرار دیا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ انہوں نے آیت کریمہ میں مراد غنا سے مادی غنا یا مجرد مال نہیں سمجھا بلکہ ''شرح صدر'' اور ''غنائے حکمت دین و شریعت۔'' قرار دیا ہے جس طرح مولانا عثمانی نے اس آیت کریمہ میں ظاہری غنا کے ساتھ ساتھ قلبی اور باطنی غنا بھی مراد لیا ہے۔

یہ چند مثالیں بطور نمونہ دی ہیں۔ مکمل بحث کیلئے ہمارے اگلے مضمون کا انتظار مفید و وجہ تسکین رہیگا۔

۶۲۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن الکریم، مطبعہ عیسیٰ البابی الحلبی، قاہرہ غیر مؤرخہ، جلد چہارم، ص ۵۲۳، شاہ ولی اللہ دہلوی، ترجمہ قرآن کریم فارسی، تاج کمپنی لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۷۲۳، بقیہ مفسرین و مترجمین کے لئے مذکورہ بالا حاشیہ ملاحظہ ہو۔

۶۳۔ عائل کے عربی مفہوم کے لئے ملاحظہ ہو: ابن منظور، لسان العرب، مادہ ع ی ل اور دوسری لغات و تفامیری کتب۔

قرآن مجید میں مادی غنا کے مقابل مادی فقر کے لئے لفظ ''فقر'' کے استعمال کے لئے ملاحظہ ہو:

☆ اترکوا قولی بخبر الرسول ﷺ ☆ حدیث شریف کے مقابل میرے قول کو چھوڑ دو (ابو حنیفہ) ☆

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قرآن، سورۂ بقرہ، آیت نمبر ۲۴۸، سورۂ آل عمران، آیت نمبر ۱۸۱۔ سورۂ حج نمبر ۲۸، سورۂ قصص نمبر ۲۴، سورۂ نساء نمبر ۶ اور نمبر ۱۳۵۔ اسی طرح قرآنِ مجید نے صدقات و زکوٰۃ کے لئے فقراء اور دوسرے سیاق میں سات جگہ استعمال کیا ہے۔ سورۂ بقرہ نمبر ۱۷۱ اور ۲۷۴، توبہ نمبر ۶۰، نور ۳۲، فاطر ۱۵، محمد ۳۸ اور حشر ۸۔ جبکہ ع ی ل کے مادہ کا دو جگہ ذکر آیا ہے اور دوسری جگہ سورۂ توبہ نمبر ۲۸ کی آیت کریمہ ہے و ان خفتم عیلةً فسوف یغنیکم الله من فضله ان شاء. شاہ ولی اللہ دہلوی نے اس کا ترجمہ ''درویشی سے کیا ہے جبکہ ان کے فرزند موصوف نے ''فقر'' سے۔ مولانا محمود حسن نے بھی یہی مراد لیا ہے جبکہ مولانا مودودی نے تنگدستی ترجمہ کیا ہے اور مولانا اصلاحی نے ترجمہ تو ''معاشی بدحالی'' کیا ہے مگر الفاظ کی تشریح میں عیلۃ کے معنی فقر و مفلسی کے بتائے ہیں۔ ابن کثیر نے ابن اسحاق کی تشریح کی سند پر مشرکین کے داخلہ مسجد حرام کی ممانعت کی صورت میں بازاروں کے بند ہونے کے سبب کساد بازاری اور اس کے نتیجہ میں سہولیات وضروریات (مرافق) سے محرومی مراد لی ہے۔ مولانا اصلاحی نے اس مقام پر مفہوم کساد بازاری ہی کا لیا ہے اگرچہ معنی فقر و مفلسی کے قرار دیئے ہیں۔

۶۴۔ ابن ہشام، اول، ص ۴۔۲۰۳، نیز محققین کا حاشیہ نمبر ۱ جو سہیلی کی ''الروض الأنف'' کے حوالہ سے بتاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے حج اور وقوف عرفہ کا ثواب فوت نہیں ہوتا تھا۔ نیز ملاحظہ ہو ابن کثیر، السیرۃ النبویہ، اول، ص ۲۵۴، جنہوں نے ابن اسحاق کے علاوہ امام احمد بن حنبل اور امام بیہقی کی روایات کے علاوہ اپنی رائے بھی بیان کی ہے۔ ملاحظہ ہو ابن اسحاق، (اردو)، ص ۷۔۹۴، ابن ہشام، اول، ص ۴۔۲۰۲۔

عرب حمس نام تھا جو قریش نے نسلی نخوت کے اظہار کے لئے اختیار کر لیا تھا اور وہ اصلاً دین وصلابت شدت کا نام تھا۔ اس لئے وہ حج کے مناسک میں سے بعض اپنے لئے ضروری نہیں سمجھتے تھے اور دوسری خرافات بھی ایجاد کر لی تھیں۔ ابن ہشام کے مذکورہ بالا حوالہ کے ساتھ ملاحظہ ہو ابن کثیر السیرۃ النبویہ، اول، ص ۵۔۲۸۴۔

۶۵۔ ابن ہشام، اول، ص ۲۳۶، یہی روایت و تفصیل ابن اسحاق، ابن کثیر کے ہاں بھی پائی جاتی ہے۔ ملاحظہ ہو ابن اسحاق، (اردو)، ص ۱۲۱، کا بیان ''آپ کی عبادت میں یہ بھی شامل تھا کہ آپ کے پاس قریش کے جو مساکین آتے تھے آپ ان کو کھانا کھلاتے تھے۔''

۶۶۔ بخاری، الجامع الصحیح، باب کیف کان بدء الوحی، ابن اسحاق، (اردو)، ص ۱۲۳۔

۶۷۔ ابن ہشام، اول، ص ۱۹۰، دوم، ص ۶۴۳، ابن کثیر السیرۃ النبویہ، اول، ص ۲۶۳، مہر خدیجہ کے لئے

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ: امام مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم رخصت ہو جاتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور کفالت حضرت علی کیلئے ملاحظہ ہو، ابن ہشام، اول، ص ۲۴۶، اور دوسرے متعدد قدیم و جدید مآخذ

۶۸۔ ابن ہشام، دوم، ص ۶۴۴، میں چار سو درہم ہے جبکہ مسلم، کتاب النکاح، باب الصداق اور ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب صداق النساء میں ساڑھے بارہ اوقیہ جس کی قیمت بقول حضرت عائشہ پانچ سو درہم ہوتی ہے۔ بیان ہوا ہے، ابن ماجہ نے ایک اور روایت یہ بیان کی ہے کہ حضرت عائشہ کا مہر ''متاع بیت'' تھا جس کی مالیت پچاس درہم تھی۔ مگر یہ روایت اس کے ایک راوی عطیہ عوفی کے سبب ضعیف قرار دی گئی ہے۔

۶۹۔ ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ، اول، ص ۶۱-۱۵۷۔

۷۰۔ اس کے لئے ابن سعد، جلد ہشتم، کی وہ فصول ملاحظہ ہوں جو بنات مطہرات کیلئے مخصوص ہیں۔ نیز دوسری ثانوی کتابوں میں ان کی ترویج وغیرہ سے متعلق تفصیلات بھی۔

۷۱۔ ابن ہشام، اول، ص ۲۹۰۔

۷۲۔ ابن ہشام، اول، ص ۳-۴۸۲۔

۷۳۔ ابن ہشام، اول، ص ۶-۴۱۵۔

۷۴۔ آپ کے لباس کے لئے ملاحظہ ہو: ابن سعد، اول، ص ۶۱-۴۴۹، وغیرہ۔

۷۵۔ ابن ہشام، اول، ص ۲۴۸، ابن سعد، اول، ص ۴۹۷۔

۷۶۔ ابن سعد، اول، ص ۸-۴۹۷، مثلاً بلاذری، اول، ص ۴۷۷، پر ذکر کرتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے والدہ سے ایک باندی سلمٰی نامی وراثت میں پائی تھی جس کی شادی بعد میں ابو رافع سے کر دی اور دونوں کو آزاد کر دیا تھا۔ غلامانِ نبوی کے لئے ملاحظہ ہو بلاذری، اول، ص ۸۳-۴۷۷، ابن سعد، اول، ص ۹-۴۹۷۔

۷۷۔ ابن ہشام، اول، ص ۴۸۷، ابن سعد، اول، ص ۴۹۲، کا واضح بیان ہے کہ آپ نے چار سو درہم میں وہ حضرت ابوبکر سے خرید لی تھی۔

۷۸۔ ابن اسحاق، (اردو)، ص ۵۱-۱۴۹، نیز ملاحظہ ہو ابن کثیر السیرۃ النبویۃ، اول، ص ۶۰-۴۵۵، جنہوں نے اس پر مکمل فصل باندھی ہے اور متعدد روایات حدیث وسیرت کے مآخذ سے نقل کی ہیں۔ آپ کے مال والی حدیث کے الفاظ صحیح مسلم سے یوں نقل کئے ہیں...... ''**لا املک لکم من اللہ شیئا. سلونی من مالی ما شئتم.**'' دو دعوتوں والی روایات ابوبکر بیہقی کی کتاب الدلائل سے نقل کی ہیں۔ اور دوسری روایات نقل کی ہیں جن میں وہ روایت بھی ہے جو مولانا شبلی، اول، ص ۲۱۰، نے نقل کی ہے اور ابن کثیر نے نقد کرتے ہوئے اسے وضاع حدیث عبدالغفار بن قاسم ابو مریم کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کارنامہ بتایا ہے اور جس پر خود جامع سیرت النبی سید سلیمان ندوی نے بھی نقد کیا ہے ملاحظہ ہو ان کا حاشیہ نمبرا، روایت کا اصل حصہ صحیح ہے اس کا آخری حصہ شیعی وضاعِ حدیث کا الحاق ہے جس میں صرف حضرت علی کو آپ کا ساتھ دینے کا شرف دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

نیز ملاحظہ ہو سید مودودی، سیرت سرورِ عالم، دوم، ص ۴۹۵۔

۷۹۔ ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ، اول، ص ۴۳۴، نے حضرت ابوالدرداء کی سند سے بخاری کی روایت نقل کی ہے۔ ''بلاشبہ اللہ نے مجھے مبعوث کیا تو تم نے کہا کہ جھوٹ بولتے ہو اور ابوبکر نے کہا کہ آپ سچ کہتے ہیں۔ اورانہوں نے اپنی جان و مال سے میری مواسات کی...... یہ آپ نے دوبارہ فرمایا۔

۸۰۔ ابن ہشام، اول، ص ۴۸۴، ابن سعد، سوم، طبع بیروت، ۱۹۵۷ء، ص ۱۷۲، ابن کثیر، دوم، ص ۵۔ ۲۳۳، سید مودودی سیرت دوم، ص ۷۲۲، نے بخاری، باب الہجرۃ اور طبرانی وغیرہ کے حوالہ سے مفصل روایات نقل کی ہیں۔ ابن ہشام کی روایات میں روزانہ ایک بار صبح یا شام تشریف لے جانے کا ذکر ہے جبکہ دوسری روایات میں دونوں وقت جانے کا ذکر ہے۔

۸۱۔ ابن ہشام، اول، ص ۸۔ ۴۸۵، ابن سعد، سوم، ص ۳۔ ۱۷۲، ابن کثیر، دوم، ص ۴۰۔ ۲۳۳۔ شبلی نعمانی، اول، ص ۳۔ ۲۷۰، سید مودودی، سیرت، دوم، ص ۳۲۔ ۷۲۲۔

حضرت ابوبکر کے خاندان میں حضرت اسماء، حضرت عائشہ، حضرت عبداللہ بن ابی بکر، ان کے مولیٰ حضرت عامر بن فہیرہ کی خدمات اور دلیل راہ عبداللہ بن اریقط کا ذکر آتا ہے۔ حضرت ابوبکر نے عام انتظامات کے علاوہ اونٹنی فراہم کی۔ زادِ راہ حضرت اسماء و حضرت عائشہ نے فراہم کیا۔ غارِ ثور میں عبداللہ اور عامر کھانا پہنچاتے اور خبریں لاتے تھے۔

۸۲۔ ابن سعد، سوم، ص ۲۱۵، اور بخاری، صحیح، باب مناقب المہاجرین، باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم و اصحابہ الی المدینہ، شبلی، اول، ص ۲۷۴، نے صرف حضرت زبیر کا یہاں ذکر کیا ہے۔

۸۳۔ حضرات ابوذر غفاری، حمزہ، عمر بن خطاب اور کئی دوسرے حضرات کے قبولِ اسلام کے بارے میں دار ارقم کے قیام کا ذکر آتا ہے: ابن ہشام، اول، ص ۵۔ ۳۴۴، ابن سعد، سوم، حضرت عمر کا اسلام، ابن کثیر، السیرۃ النبویۃ، اول، ص ۲۔ ۴۴، وغیرہ، نیز ملاحظہ ہو: شبلی نعمانی، اول، ص ۲۲۵، سید مودودی، سیرت، دوم، ص ۵۔ ۱۵۴۔

۸۴۔ ابن ہشام، اول، ص ۴۲۱، نیز شبلی نعمانی، اول، ص ۵۔ ۲۴۴، سید مودودی، سیرت، دوم، ص ۵۔ ۶۱۴۔

۸۵۔ ابن ہشام، اول، ص ۴۲۱، نیز سید مودودی، سیرت، دوم، ص ۶۔ ۶۳۵، شبلی، اول، ص ۲۵۱۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے کہ: امام مالک اور سفیان بن عیینہ نہ ہوتے تو حجاز سے علم رخصت ہو جاتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بنادیا ہو کہ وہ طرز اور لے کے بغیر کوئی بات سننا پسند نہ کرتے ہوں؟ سبب خواہ کچھ بھی ہو یہ تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس وقت ایک خاص مکتبہ فکر میں یہ رجحان عام ہو گیا ہے کہ لاکھوں روپے کے صرفہ سے محفل نعت کرائیں گے اور مقرر اگر مفت میں بھی تقریر سنانا چاہے تو نہیں سنیں گے۔ اور تو اور نثر جن کا اوڑھنا بچھونا ہے اور تحریر و تقریر جن کا پیشہ ہے وہ بھی محفلِ نعت کرانے کو جلسۂ سیرت النبی پر ترجیح دیتے ہیں وجہ پوچھو تو ایک ہی ہے کہ محفلِ نعت میں مزا اور لوگ زیادہ آتے ہیں اور جلسہ و تقریر میں نہیں آتے۔ کیا اس سبب سے اب محافلِ وعظ و تذکیر کی بساط لپیٹ دی جائے گی کہ لوگوں کا رجحان نہیں رہا یا اس کا کچھ مداوا بھی ممکن ہے؟

محافلِ نعت کی برکتیں جو بھی ہوں اس سے انکار ممکن نہیں مگر تشویش کی بات یہ ہے کہ بعض نعت گو حضرات نے ایسے ایسے اشعار کہہ ڈالے ہیں جنہیں خداوند کریم کی ذات پر طعن اور شرک جلی کا گمان ہوتا ہے، صرف یہی نہیں بلکہ حبِ رسول میں بسا اوقات ایسے کلمات کا استعمال بھی ہو جاتا ہے جن میں رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ گرامی کے احترام کا پہلو کمزور رہ جاتا ہے، اور جن میں مفرد مخاطب کے الفاظ کچھ اس انداز سے شامل ہوتے ہیں کہ جو کوئی بھی مہذب شخص اپنے کسی بے تکلف دوست کے لئے بھی استعمال کرنا پسند نہ کرے گا۔ ہمیں نعتِ رسول ﷺ سے محبت ہے اور نعت خوانوں سے بھی عداوت نہیں کہ وہ تو ذکرِ رسول سناتے اور محافل میں جان ڈالتے ہیں لیکن کچھ عرصہ سے کچھ ڈوم اور میراثی قسم لوگوں نے نعت خوانوں کا روپ دھار کر اپنی بد عملی و بد کرداری سے اس مقدس پیشہ کو بدنام کر دیا ہے۔ جس کے سبب بڑے بڑے نعت خواں بھی پریشان ہیں۔ نعت کو حبِ رسول ﷺ کے جذبہ کو ابھارنے اور پھر اسے اطاعتِ رسول ﷺ میں بدل ڈالنے کے وسیلہ کے طور پر اختیار کیا گیا تھا مگر اب بعض لوگوں کا مشن اور مقصد نذرانے وصولنے اور سستی شہرت پانے کی خاطر نعت خوانی کا پیشہ اپنانے کا ہو چلا ہے۔ ایسے میں ضرورت اس امر کی ہے کہ محافل نعت کرانے والے لوگ ایسے لوگوں کو نہ بلائیں جو حبِ رسول سے عاری محض پیشہ ور گلوکار ہوں اور جنہیں محفل میں حب رسول کا رنگ بھرنے کی بجائے اپنی جیب بھرنے سے غرض ہو۔ محافل نعت و جلسہ ہائے سیرت کے منتظمین، علماء کرام اور چارہ گرانِ امت سے توجہ کی درخواست اور اللہ رب العزت سے رحم بر حالِ امت کی التجا ہے۔

علم و فن میں حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا کوئی ثانی نہیں : (محدث ابوزرعہ)

© rasailojaraid.com